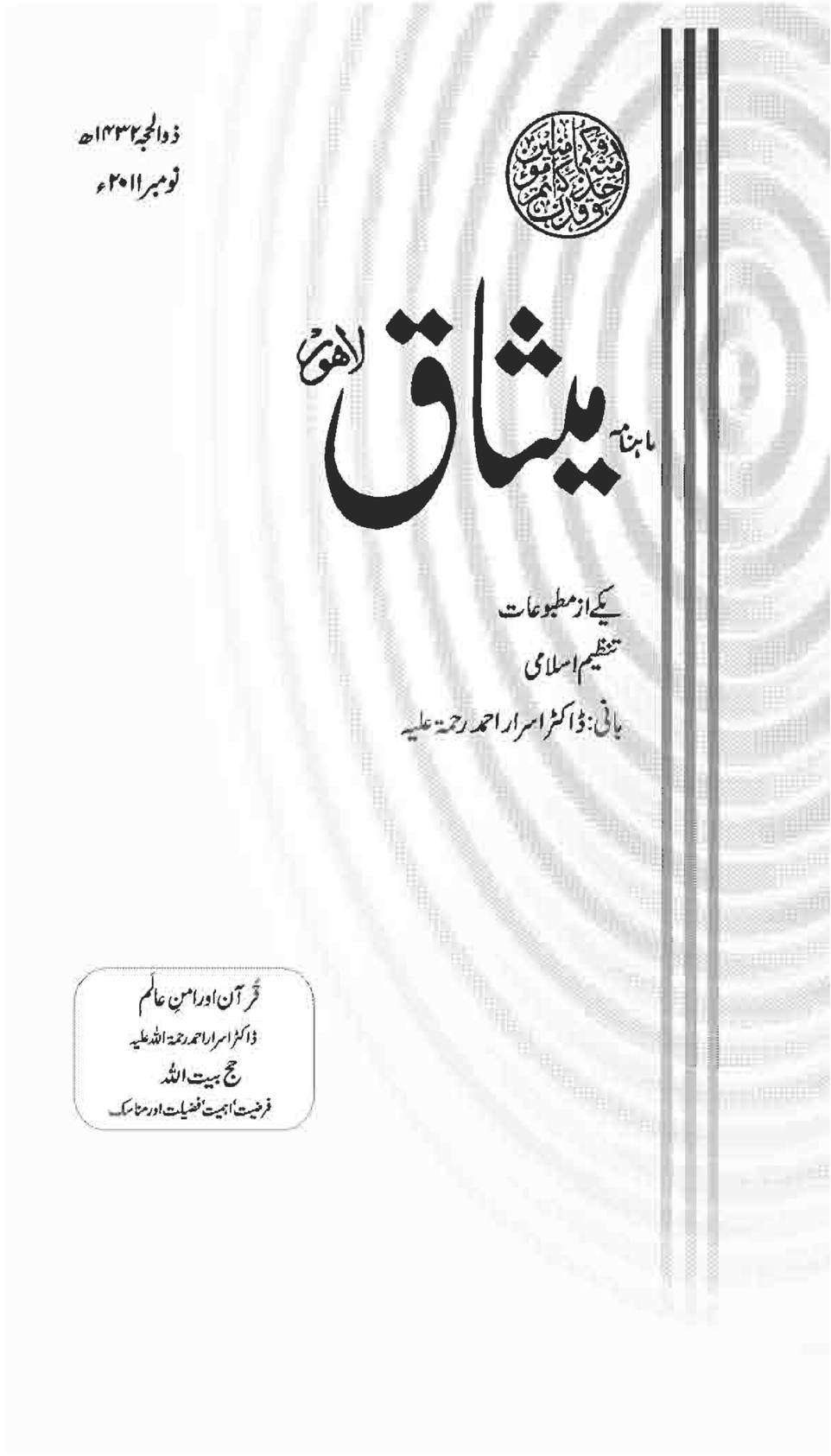

- قربانی ہماری معاشرتی رسم ہے یا دینی فریضہ؟
- قرآن وسنت کی روشنی میں قربانی کا فلسفہ کیا ہے؟
- عیدالاضحیٰ اور قربانی میں باہم چولی دامن کا ساتھ کیوں ہے؟
- حج کے موقع پر منیٰ میں کی جانے والی قربانی اور اس موقع پر پوری دنیا میں کی جانے والی قربانی میں کیا ربط وتعلق ہے؟

ان سوالات کی وضاحت کے لیے مطالعہ کیجئے:

عیدالاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی

اور

حج اور عیدالاضحیٰ اور اُن کی اصل روح

قرآن حکیم کے آئینے میں

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کی ایک تقریر اور ایک تحریر پر مشتمل مختصر مگر جامع کتابچہ

قیمت اشاعت خاص: 35 روپے' اشاعتِ عام: 20 روپے (علاوہ ڈاک خرچ)

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون 03-35869501
maktaba@tanzeem.org

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدة:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد :	60
شمارہ :	11
ذوالحجہ	1432ھ
نومبر	2011ء
فی شمارہ	-/25

مدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

اندرون ملک	250 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501
فیکس: 35834000 ای میل: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36271241

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ______ 3
ممتاز قادری کیس کا غیر اسلامی فیصلہ
ایوب بیگ مرزا

بیان القرآن ______ 7
سورۃ الاعراف (آیات ۹۴ تا ۱۰۲)
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تذکرہ و تبصرہ ______ 31
قرآن اور امنِ عالم
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

دعوتِ فکر ______ 47
دہشت گردی، تشدد اور انتہاپسندی
حافظ محمد مشتاق ربانی

سوئے حرم ______ 51
حج بیت اللہ
حافظ منزہ رشید

اُسوہ و سیرت ______ 73
لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى
عتیق الرحمٰن صدیقی

حسنِ معاشرت ______ 82
مصافحہ، معانقہ، تقبیل اور قیام
حافظ محمد زاہد

افکار و آراء ______ 91
اسلام اور سرمایہ داری
عبدالرشید عراقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ممتاز قادری کیس کا غیر اسلامی فیصلہ

سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو قتل کرنے والے ایلیٹ فورس کے جوان ممتاز حسین قادری کیس کا جو فیصلہ سامنے آیا ہے وہ اسلامیانِ پاکستان کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ انسدادِ دہشت گردی کی عدالت کے جج پرویز علی شاہ نے ممتاز حسین قادری کو دو مرتبہ سزائے موت' علاوہ ازیں قید و جرمانہ کی سزا سنائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ فیصلہ شریعت اسلامی سے یکسر متصادم اور عوامی امنگوں کے قطعی خلاف ہے۔ اسی لیے اس فیصلے کے خلاف احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ جاری ہے۔

سزا سنانے سے پہلے جج نے ممتاز قادری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اسلام کی رو سے تمہارا یہ اقدام جائز اور درست تھا لیکن ملکی قانون کے تحت تمہیں دہری موت کی سزا دی جاتی ہے۔ یعنی عدالت نے آئین کے چہرے پر پڑے منافقت کے پردے کو سرکاری طور پر تسلیم کرلیا' جس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ پاکستان میں قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی نہیں کی جائے گی۔ سیدھی سی بات ہے کہ اسلام اور ملکی قانون کی راہیں جدا جدا بلکہ مخالف سمت میں تھیں' لہٰذا یہ تسلیم کرتے ہوئے بھی کہ تم نے جو کیا اسلام کی رو سے درست اور جائز کیا' ملزم کو جو اپنے اِس اقدام سے مسلمانانِ پاکستان کی اکثریت کی آنکھ کا تارا بنا ہوا ہے' صرف موت نہیں دہری موت کی سزا سنادی گئی۔ انسدادِ دہشت گردی عدالت کے جج نے مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان' جس کا مطلب لوگوں کو ''لا الٰہ الا اللہ'' بتایا گیا تھا' کی دستوری منافقت کا سرکاری ملازم ہوتے ہوئے بھی پردہ چاک کیا ہے اور واضح کردیا کہ ہم نے اپنے وطن کے نام کے ساتھ اسلامی کا جو لاحقہ لگایا ہوا ہے' یہ محض خدا فریبی و خود فریبی کے لیے ہے' ہماری قومی اور اجتماعی زندگی کا اِس کے ساتھ کوئی حقیقی اور عملی تعلق نہیں ہے۔

ہمارے ہاں ایک بات بڑی سادگی سے کہہ دی جاتی ہے' اور صرف ہمارا نام نہاد سیکولر طبقہ ہی نہیں' بہت سے سادہ لوح پاکستانی مسلمان بھی کہہ دیتے ہیں کہ کسی شخص کو قانون ہاتھ میں لینے کا حق نہیں ہے۔ اصولی طور پر یہ بات بالکل درست ہے' لیکن یہ بات اتنی سادہ بھی نہیں ہے جتنی سادگی سے کہہ دی جاتی ہے۔ اوّلاً تو یہ بات وہاں وزن دار ہوگی جہاں قانون کی حکومت ہو اور عملداری ہو'

جہاں قانون حاکم اور عوام' امیر اور غریب' انسان اور انسان میں فرق اور تمیز نہ کرتا ہو۔ لیکن جہاں قانون اور ضابطے صرف عوام کے لیے ہوں' جہاں مختلف طبقات کے درمیان خلیج ہی نہیں سمندر حائل ہوں' جہاں عدل وانصاف تک عوام کی پہنچ صحرا میں نہر جاری کردینے سے زیادہ مشکل ہو' جہاں عوام اور عدل کے درمیان ہمالائی چٹانیں حائل ہوں' جہاں کچہریاں اور تھانے شیر کی کچھار بن چکے ہوں' جہاں وقت گزرنے کے ساتھ عوام کے ذہن سے یہ بات ہی محو ہوچکی ہو کہ حاکم کے در پر دستک دینے سے بھی کوئی مسئلہ حل ہوسکتا ہے' جہاں آئین میں لکھ دیا گیا ہو کہ صدر اور گورنر قانون سے بالاتر ہوں گے اور انہیں سات نہیں لاکھوں خون معاف ہوں گے' وہاں اس بات کا کیا وزن ہوگا؟ کون نہیں جانتا کہ بہت سے لوگوں اور تنظیموں نے گورنر سلمان تاثیر کے خلاف تھانے میں ایف آئی آر درج کرانے کی کوشش کی تھی' لیکن سب کو ایک سا جواب ملا کہ گورنر کے خلاف ایف آئی آر درج نہیں ہوسکتی۔ اندازہ لگایئے اُس مسلمان کی اندرونی کیفیت اور روحانی اضطراب کا' جو دل کی گہرائیوں سے اور خلوص سے کہتا ہے ''میرے ماں باپ اور میرے جان و مال حضور ﷺ پر قربان!'' جو کہتا ہے ''عشقِ رسولؐ میرا سرمایۂ حیات ہے!'' جب وہ اپنے کانوں سے کسی کو اِس مقدس ہستی کی توہین کرتے سنے اور اُس کی منحوس صورت اِس عاشقِ رسولؐ کے سامنے ہو اور عدل کے دروازوں پر ٹنوں وزنی تالے پڑے ہوں' قہقہے لگاتا یہ منحوس انسان اُس کے دل پر بجلیاں گرا رہا ہو تو کوئی تو بتائے کہ عشقِ رسولؐ میں ڈوبا ہوا یہ انسان کرے تو کیا کرے؟؟

یہ پہلو بھی غور طلب ہے کہ منافقت کا وہ پلندہ جسے آئین پاکستان کا نام دیا گیا ہے' حکمرانوں کی نگاہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ سلمان تاثیر نے آسیہ شاتم رسول کو تھپکی دیتے ہوئے جو کچھ کہا (جس کی تفصیل نہیں دی جاسکتی) وہ اِس آئین اور قانون کی کھلی خلاف ورزی تھی یا نہیں؟ کیا قانون حرکت میں آیا؟ کیا صدر نے اُسے برطرف کیا اور اُس کے ناپاک ہاتھوں کو ہتھکڑیوں میں جکڑا گیا؟ کہاں تھے وہ لوگ جو آئین کی شق ۶ کی خلاف ورزی پر موت کی سزا نہ دینے پر آسمان سر پر اُٹھا لیتے ہیں اور جمہوریت کا جنازہ لے کر سڑکوں پر جلاؤ گھیراؤ کی تحریک شروع کردیتے ہیں؟ کہاں تھے اس وقت وہ لوگ جو مذہبی آزادی اور مذہبی جذبات کی پاسداری اور مذہبی منافرت پھیلانے کے خلاف منہ ٹیڑھا کر کے انگریزی میں اور انگریزی نما اردو میں تقریریں کرتے ہیں؟ کیوں اُن لوگوں کی زبانیں گنگ ہوگئی تھیں جو کہتے ہیں کہ کسی شخص کو دوسرے شخص کے مذہبی جذبات کچلنے کی اجازت نہیں ہے؟

ہم نے اب تک جو بات کی ہے یقیناً اس کی بنیاد جذبات پر ہے' لیکن ایک سوال تو اِس بنیاد پر پیدا ہوتا ہے کہ ممتاز قادری یا شمع رسالت کا کوئی پروانہ' اپنے اور اپنے خالق و مالک اللہ ربّ العزت

کے محبوب ﷺ سے یہ سلوک دیکھے اور سنے تو آخر کیا کرے؟ عدل کے دروازوں پر پڑے ہوئے آئرن کرٹن سے سر پھوڑ کر مر جائے؟ یعنی خودکشی کر کے حرام موت کو گلے لگا لے؟ یا شاتمِ رسول کو جہنم واصل کر کے آخرت میں سرخرو ہو جائے؟ یہ سوال ہم اُن سادہ لوح مسلمانوں سے کر رہے ہیں' جو یکلخت یہ سن کر کہ کسی کو قانون کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے لاجواب ہو جاتے ہیں۔

اب آیئے شاتم رسول کو واصل جہنم کرنے کے قانونی پہلو کی طرف۔ اگرچہ اس حوالہ سے تمام مسالک کے مفتیانِ کرام کی طرف سے ایک متفقہ فتویٰ جلد منظر عام پر آ جائے گا کہ ممتاز قادری نے اپنے اس اقدام سے اسلامیانِ پاکستان کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کیا ہے' لیکن ہم بھی چند باتیں اپنے لیے توشۂ آخرت بنانے کے لیے عرض کرنا چاہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ انبیاء و رسل علیہم السلام بھی انسان ہی تھے' لیکن اُن کے معاملات کو دوسرے انسانوں کی سطح پر دیکھنا اور پرکھنا بہت بڑا مغالطہ ہے۔ انبیا اور رُسل علیہم السلام دُنیا میں اللہ کے نمائندے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ جو اِس کائنات کا خالق و مالک بھی ہے' اور وحدہ لاشریک بھی ہے۔ عام انسان ہی نہیں فرشتے اور خود اُس کے انبیاء و رسل علیہم السلام اُس کی حکومت میں مداخلت نہیں کر سکتے۔ اُس نے اِس کائنات کو اگرچہ کچھ اصولوں پر قائم کیا ہے' مثلاً مرد اور عورت کے قرب سے انسانی نسل کا سلسلہ چلتا ہے' پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے اور آگ جلا دیتی ہے' لیکن وہ اپنے بنائے ہوئے ان اصولوں کے آگے بے بس نہیں ہے۔ چنانچہ جب اُس نے چاہا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہو گئے' پانی نے دیوار کی صورت اختیار کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے راستہ بنا دیا' آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے سے انکار کر دیا' وقس علیٰ ذلک! وہی مالک و خالق اپنے رسولوں کو خاص تحفظ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی بستی نے رسول کا حتمی انکار کیا تو اُس بستی کو تہس نہس کر دیا گیا۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اصلاً قانون سازی کا حق صرف اللہ کو اور اُس کے رسولوں کو اُس کے نمائندوں کی حیثیت سے حاصل ہے اور وہی آخری اور حتمی ہوگا۔ حضور ﷺ جو تمام انبیاء اور رسل علیہم السلام کے سردار تھے' اُن کی ذاتِ مبارکہ کو خصوصی تحفظ دیا گیا ہے۔ فتح مکہ کے بعد جب مسلمانوں کے پاس اقتدار اور اختیار آ گیا تو تمام دشمنانِ اسلام کو عام معافی دے دی گئی۔ مشرکین مکہ کو ایک مدت کے اندر دائرہ اسلام میں داخل ہونے یا عرب سے بے دخلی کا حکم ہوا' لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی ماضی میں توہین کرنے والوں کو معاف نہ کیا گیا اور اُن کے بارے میں حکم ہوا کہ اگر یہ خانہ کعبہ کے پردوں میں بھی چھپ جائیں تو انہیں نکال کر قتل کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاتمانِ رسول سے خصوصی سلوک ہوا۔ سیرت کا یہ واقعہ کس کے علم میں نہیں کہ حضور ﷺ کے فیصلے کے خلاف ایک مسلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر دستک دے دیتا ہے۔ یہ مسلمان زبان سے حضور ﷺ کی کسی قسم کی توہین نہیں کرتا' صرف آپؐ کے فیصلے پر عدم اطمینان کا

اظہار کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے دست و بازو تو ہیں لیکن قاضی نہیں ہیں۔ کوئی عدالت نہیں لگتی' کوئی قانونی کارروائی نہیں ہوتی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس مسلمان کی گردن تن سے جدا کر دیتے ہیں۔ بہت شور ہوتا ہے' لیکن قرآن اپنا فیصلہ سنا دیتا ہے۔ اِس مسلمان کا خون رائیگاں قرار دے دیا جاتا ہے۔ ایک مسلمان اپنی کنیز کو کسی عدالت میں لے جائے بغیر اور کسی سطح پر رپورٹ کیے بغیر گستاخیٔ رسول پر قتل کر دیتا ہے۔ حضور ﷺ اُس کا خون بھی رائیگاں قرار دے دیتے ہیں' کوئی قصاص نہیں' کوئی خوں بہا نہیں! اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ امیر شریعت عطا اللہ شاہ بخاریؒ سے کسی نے پوچھا کہ اگر کسی مسلمان کے روبرو آقائے نامدار حضور ﷺ کی توہین اور اہانت کی جائے تو اُسے کیا کرنا چاہیے؟ آپؒ نے فرمایا: یا وہ زبان نہ رہے یا وہ کان نہ رہیں! یعنی سننے والا مسلمان یا مر جائے یا مار دے اور توہین کرنے والے کی زبان گدی سے کھینچ ڈالے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی خالص اسلامی ریاست ہو' یعنی قرآن و سنت کو بطورِ قانون مکمل بالادستی حاصل ہو اور شریعتِ محمدیؐ وقت کا قانون ہو اور ایسے ماحول میں کوئی شاتمِ رسولؐ اپنی زبان کھولے یا کچھ تحریر کرے تو کیا کیا جانا چاہیے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ بہتر اور قابل ترجیح تو یہ ہے کہ سننے والا اُسے فوری طور پر قانون کے حوالے کر دے اور ثابت کرے کہ اِس شخص نے یہ قابل نفرت جرم کیا ہے۔ لیکن فرض کریں کہ وہ اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکے اور فوری طور پر خود اُس کو واصل جہنم کر دے تب بھی اُسے قاضی کے سامنے صرف یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ اِس شخص نے حقیقتاً آپ ﷺ کی توہین کی تھی۔ اگر ثابت ہو جائے تو قصاص اور دیت نہیں' اُس کا خون رائیگاں جائے گا اور وہ باعزت بری ہو جائے گا۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ممتاز قادری کو پھانسی دے کر عاشقانِ رسول ﷺ کو ختم کیا جا سکتا ہے تو وہ کان کھول کر سن لے کہ ممتاز قادری کے خون کے ایک ایک قطرے سے ہزاروں ممتاز قادری پیدا ہوں گے۔ البتہ ہم پاکستان کی تمام اسلامی جماعتوں کی خدمت میں بھی عرض کیے دیتے ہیں کہ اگر سب نے مل جل کر پاکستان کو خالص اسلامی ریاست بنانے کے لیے کوئی بھرپور تحریک نہ چلائی اور اپنی توانائیاں جزوی امور اور سیاسی معاملات ہی کے لیے وقف کیے رکھیں تو اِس ملک میں اسلام کے خلاف فتنے پیدا ہوتے رہیں گے' اور ہم یہ کہنے میں بھی باک محسوس نہیں کرتے کہ ہماری مدافعتی قوت بھی روز بروز کمزور ہوتی چلی جائے گی۔ آج ہم ممتاز قادری کو بچانے کی پوزیشن میں ہیں' کل نہیں رہیں گے اور سلمان تاثیر جگہ جگہ پیدا ہو جائیں گے۔ اللہ نہ کرے ایسا وقت آئے۔ لہٰذا ہمیں بھی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اپنی دنیا اور آخرت سنوارنے کے لیے پاکستان میں مکمل اسلامی نظام کا نفاذ ناگزیر ہے۔

❁❁❁

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الاعرَاف

آیات ۹۴ تا ۱۰۲

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ
لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا
قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝
وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنَ اَهْلُ
الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ
يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ
اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ
اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا
يَسْمَعُوْنَ ۝ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ
اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ
وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝

آیت ۹۴ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝۹۴﴾ ''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بھی بستی میں کسی بھی نبی کو مگر یہ کہ ہم

نے پکڑا اُس کے بسنے والوں کو سختیوں سے اور تکلیفوں سے تاکہ وہ گڑگڑائیں (اور ان میں عاجزی پیدا ہو جائے)۔''

یہ اللہ کے ایک خاص قانون کا تذکرہ ہے' جس کے بارے میں ہم سورۃ الانعام (آیات ۴۲ تا ۴۵) میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب بھی کسی قوم کی طرف کسی رسول کو بھیجا جاتا تو اس قوم کو سختیوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر کے ان کے لیے رسول کی دعوت کو قبول کرنے کا ماحول پیدا کیا جاتا۔ کیونکہ خوشحالی اور عیش کی زندگی گزارتے ہوئے انسان ایسی کوئی نئی بات سننے کی طرف کم ہی مائل ہوتا ہے' البتہ اگر انسان تکلیف میں مبتلا ہو تو وہ ضرور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ لہٰذا کسی رسول کی دعوت کے آغاز کے ساتھ ہی اس قوم پر زندگی کے حالات تنگ کر دیے جاتے تھے' لیکن اگر وہ لوگ اس کے باوجود بھی ہوش میں نہ آتے' اپنی ضد پر اڑے رہتے' اور رسول کی دعوت کو رد کرتے چلے جاتے' تو ان پر سے وہ سختیاں اور تکلیفیں دور کر کے ان کو غیر معمولی آسائشوں اور نعمتوں سے نواز دیا جاتا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گویا ڈھیل دینے کا ایک انداز ہے کہ اب اس قوم نے برباد تو ہونا ہی ہے مگر آخری انجام کو پہنچنے سے پہلے ان کی نافرمانی کی آخری حدود دیکھ لی جائیں کہ اپنی اس روش پر وہ کہاں تک جا سکتے ہیں۔ یہ ہے وہ قانون یا اللہ کی سُنّت' جس پر ہر رسول کے آنے پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔ سورۃ السجدہ میں اس قانون کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے: ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۲۱﴾ ''اور ہم انہیں مزا چکھائیں گے چھوٹے عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے شاید کہ یہ رجوع کریں''۔ بڑا عذاب تو عذابِ استیصال ہوتا ہے جس کے بعد کسی قوم کو تباہ و برباد کر کے نسیاً منسیا کر دیا جاتا ہے۔ اس بڑے عذاب کی کیفیت مکی سورتوں میں اس طرح بیان کی گئی ہے: ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ﴾ (الاعراف: ۹۲' اور سورۂ ہود: ۶۸' ۹۵) ''وہ لوگ ایسے ہو گئے جیسے وہاں بستے ہی نہیں تھے''۔ ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ﴾ (الانعام: ۴۵) ''پس ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی''۔ ﴿لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ﴾ (الاحقاف: ۲۵) ''اب صرف ان کے مسکن ہی نظر آ رہے ہیں''۔ یعنی عذابِ استیصال کے بعد اب اُن کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے بنائے ہوئے عالیشان محل تو نظر آ رہے ہیں' لیکن ان کے مکینوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا — قانونِ قدرت کے تحت اس نوعیت کے ''عذاب الاکبر'' سے پہلے چھوٹی چھوٹی تنبیہات آتی ہیں تاکہ لوگ خوابِ غفلت سے جاگ

جائیں‘ ہوش میں آ جائیں‘ استکبار کی روش ترک کر کے عاجزی اختیار کریں اور رجوع کر کے عذابِ استیصال سے بچ سکیں۔

آیت ۹۵ ﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ﴾ ’’پھر ہم نے اس برائی کو بھلائی سے بدل دیا‘ یہاں تک کہ وہ لوگ خوب بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے آباء واَجداد پر بھی تکلیف اور خوشی آتی رہی ہے‘‘

﴿فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ’’پھر ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور انہیں اس کا شعور بھی نہیں تھا۔‘‘

جب وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اَڑے رہے تو ان پر دنیاوی آسائشوں کے دہانے کھول دیے گئے کہ اب کھاؤ‘ پیو اور عیش کرو۔ پھر وہ عیش وعشرت کی زندگی میں اس قدر مگن ہوئے کہ سختیوں کے دَور کو بالکل ہی بھول گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے اسلاف پر بھی اچھے اور برے دن آتے ہی رہے ہیں‘ اس میں امتحان اور آزمائش کی کون سی بات ہے‘ حتیٰ کہ ان کی پکڑ کی گھڑی آن پہنچی اور انہیں اس کا شعور ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت یوں اچانک آ جائے گی۔

آیت ۹۶ ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ ’’اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر کھول دیتے آسمانوں اور زمین کی برکتیں۔‘‘

﴿وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ’’لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کو پکڑ لیا ان کے کرتوتوں کی پاداش میں۔‘‘

آیت ۹۷ ﴿اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ﴾ ’’تو کیا یہ بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر آ جائے ہمارا عذاب‘ جبکہ وہ رات کو سوئے ہوئے ہوں۔‘‘

آیت ۹۸ ﴿اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ ’’اور کیا یہ بستیوں والے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر آ جائے ہمارا عذاب دن چڑھے‘ جب کہ وہ کھیل رہے ہوں۔‘‘

آیت ۹۹ ﴿اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ ’’کیا وہ امن میں (یا بے خوف) ہیں اللہ کی چال سے؟ اللہ کی چال سے کوئی اپنے آپ کو امن میں محسوس نہیں کرتا مگر وہی لوگ جو خسارہ پانے والے ہیں۔‘‘

آیت ۱۰۰ ﴿اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ﴾ ’’تو کیا ان لوگوں کو سبق نہیں ملا جو زمین کے وارث ہوئے ہیں اس کے پہلے رہنے والوں کے (ہلاک ہونے کے) بعد‘ کہ ہم چاہیں تو ان کو بھی پکڑ لیں ان کے گناہوں کی پاداش میں!‘‘

کیا بعد میں آنے والی قوم نے اپنی پیش رو قوم کی تباہی و بربادی سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا؟ قومِ عاد نے کیوں کوئی سبق نہیں سیکھا قومِ نوح کے عذاب سے؟ اور قومِ ثمود نے کیوں عبرت نہیں پکڑی قومِ عاد کی بربادی سے؟‘ اور قومِ شعیب نے کیوں نصیحت حاصل نہیں کی قومِ لوط کے انجام سے؟

﴿وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ ’’اور ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیا کرتے ہیں‘ پھر وہ کچھ سنتے ہی نہیں۔‘‘

آیت ۱۰۱ ﴿تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ﴾ ’’یہ وہ بستیاں ہیں جن کی کچھ خبریں ہم آپ (ﷺ) کو سنا رہے ہیں۔‘‘

انباء الرسل کے سلسلے میں اب تک پانچ رسولوں یعنی حضرت نوح‘ حضرت ہود‘ حضرت صالح‘ حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کا ذکر ہو چکا ہے۔ آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے جو قدرے طویل ہے۔

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ﴾ ’’اور ان کے پاس ان کے رسول آئے روشن نشانیوں کے ساتھ‘ تو وہ نہیں تھے ایمان لانے والے اس پر جس کا انہوں نے پہلے انکار کر دیا تھا۔‘‘

یعنی جسے ایمان لانا ہوتا ہے وہ جیسے ہی حق منکشف ہوتا ہے اسے قبول کر لیتا ہے۔ جسے قبول نہیں کرنا ہوتا اس کے لیے نصیحتیں‘ دلیلیں‘ نشانیاں اور معجزے سب بے اثر ثابت ہوتے ہیں۔ یہی نکتہ سورۃ الانعام (آیت ۱۱۰) میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ

وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ یعنی ہم ان کے دلوں اور ان کی نگاہوں کو اُلٹ دیتے ہیں، جیسے کہ وہ پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تھے۔

﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠١﴾﴾ ''اسی طرح اللہ مہر کر دیا کرتا ہے کافروں کے دلوں پر۔''

آیت ۱۰۲ ﴿وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ﴾ ''اور ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی پاسداری نہیں پائی۔''

دُنیا میں جب بھی کوئی قوم اُبھری، اپنے رسول کے سہارے اُبھری۔ ہر قوم کے علمی و اخلاقی ورثے میں اپنے رسول کی تعلیمات اور وصیتیں بھی موجود رہی ہوں گی۔ ان کے رسول نے ان لوگوں سے کچھ عہد اور میثاق بھی لیے ہوں گے، لیکن ان میں سے اکثر نے کبھی کسی عہد کی پاسداری نہیں کی۔

﴿وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٢﴾﴾ ''اور ہم نے تو ان کی اکثریت کو فاسق ہی پایا۔''

اب انباء الرسل کے سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے۔ اس سے پہلے ایک رسول کا ذکر اوسطاً ایک رکوع میں آیا ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر سات آٹھ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورتیں ہجرت سے متصلاً قبل نازل ہوئی تھیں اور ہجرت کے فوراً بعد قرآن کی یہ دعوت براہِ راست اہل کتاب (یہودِ مدینہ) تک پہنچنے والی تھی۔ لہٰذا ضروری تھا کہ نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ مدینہ پہنچنے سے پہلے یہود سے مکالمہ کرنے کے لیے ذہنی اور علمی طور پر پوری طرح تیار ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے واقعات ان سورتوں میں بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

آیات ۱۰۳ تا ۱۲۶

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ اِنْ
كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا
هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ الْمَلَاُ
مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٩﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ
فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿١١٠﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾
يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿١١٢﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ
كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿١١٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ
اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿١١٥﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا
اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿١١٦﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى
اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿١١٧﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٨﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ
سٰجِدِيْنَ ﴿١٢٠﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢١﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ قَالَ
فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي
الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٢٣﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ
وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٢٤﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا
مُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ
عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿١٢٦﴾

آیت ۱۰۳ ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ﴾ ''پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف''

اب تک جن پانچ قوموں کا ذکر ہوا ہے وہ جزیرہ نمائے عرب ہی کے مختلف علاقوں میں بستی تھیں، لیکن اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بنی اسرائیل کا ذکر ہوگا جو مصر کے باسی تھے۔

مصر براعظم افریقہ کے شمال مشرقی کونے میں واقع ہے۔ اس قصے میں صحرائے سینا کا بھی ذکر آئے گا' جو مثلث شکل میں ایک جزیرہ نما (Sinai Peninsula) ہے' جو مصر اور فلسطین کے درمیان واقع ہے۔ مصر میں اُس وقت ''فراعنہ'' (''فرعون'' کی جمع) کی حکومت تھی۔ جس طرح عراق کے قدیم بادشاہ ''نمرود'' کہلاتے تھے اسی طرح مصر میں اُس دور کے بادشاہ کو ''فرعون'' کہا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو براہِ راست اپنے وقت کے بادشاہ (فرعون) کے پاس بھیجا گیا تھا۔

﴿فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ ''تو انہوں نے ان (نشانیوں) کے ساتھ ظلم کیا' تو دیکھ لو کیسا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا!''

یعنی ہماری نشانیوں کا انکار کر کے ان کی حق تلفی کی اور انہیں جادوگری قرار دے کر ٹالنے کی کوشش کی۔

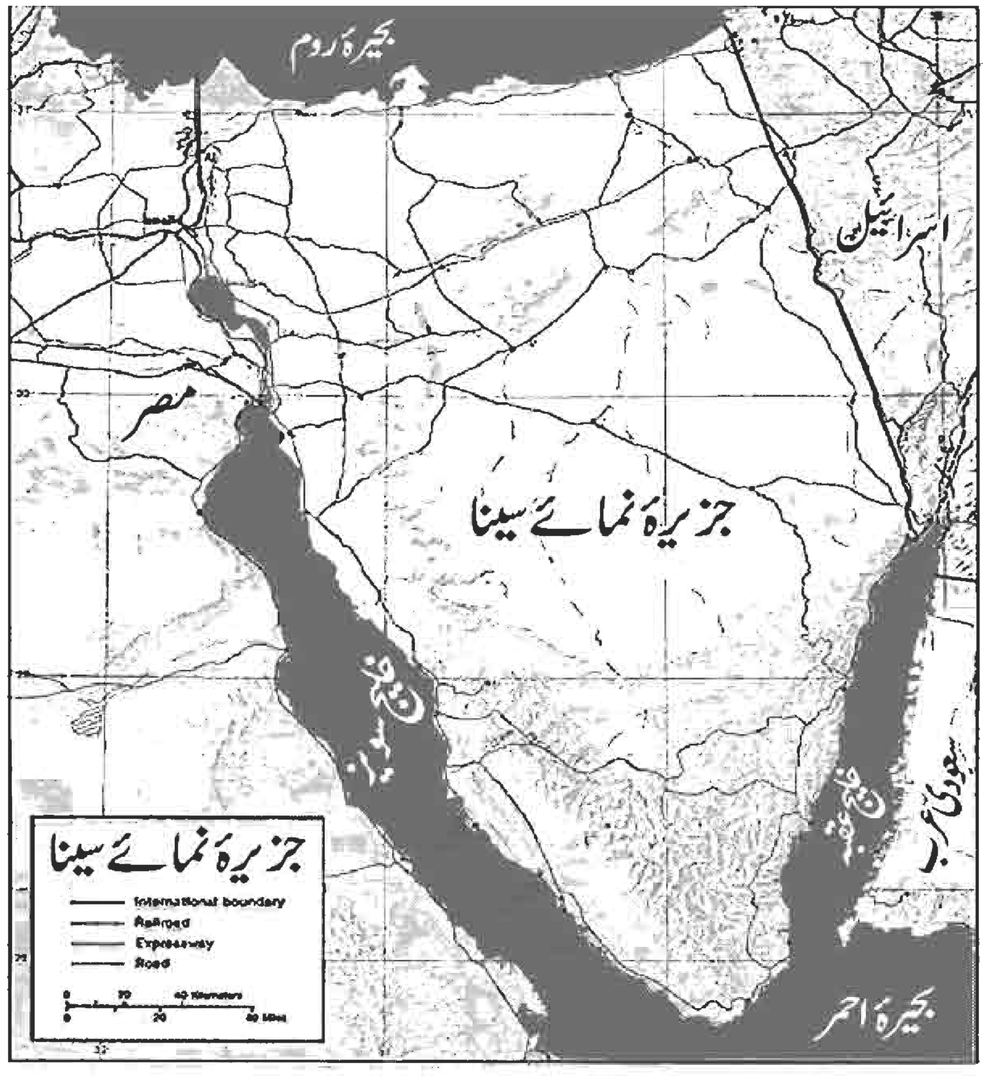

آیت ۱۰۴ ﴿وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور موسیٰؑ نے کہا: اے فرعون! میں رسول ہوں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے۔''

آیت ۱۰۵ ﴿حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ ''میں اس پر قائم ہوں کہ حق کے سوا کوئی بات اللہ سے منسوب نہ کروں۔''

فرعون کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی اجنبی آدمی نہیں تھے۔ آپؑ اس کے ساتھ ہی شاہی محل میں پلے بڑھے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت جو فرعون برسر اقتدار تھا وہ اس فرعون کا باپ تھا اور اُسی نے حضرت موسیٰؑ کو بچپن میں بچایا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپؑ کو ایک صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا تھا۔ وہ صندوق فرعون کے محل کے پاس ساحل پر آ لگا تھا اور محل کے ملازمین نے اسے اٹھا لیا تھا۔ فرعون کو پتا چلا تو وہ اسرائیلی بچہ سمجھ کر آپؑ کے قتل کے درپے ہوا' مگر اُس کی بیوی نے اسے یہ کہہ کر باز رکھا تھا کہ ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں گے' یہ ہمارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا: ﴿قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ﴾ (القصص:۹) کیونکہ اس وقت تک اُن کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ بعد میں اُس کے ہاں بھی ایک بیٹا پیدا ہوا۔ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا بیٹا تقریباً ہم عمر تھے' وہ دونوں اکٹھے محل میں پلے بڑھے تھے اور اُن کے درمیان حقیقی بھائیوں جیسی محبت تھی' بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیثیت بڑے بھائی کی تھی۔ جب بڑا فرعون بوڑھا ہو گیا تو اس نے اپنی زندگی میں ہی اقتدار اپنے بیٹے کے سپرد کر دیا تھا۔ چنانچہ جس فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا یہ وہی تھا جس کے ساتھ آپؑ شاہی محل میں پلے بڑھے تھے۔ ابھی کچھ ہی برس پہلے آپؑ یہاں سے مدین گئے تھے اور پھر مدین سے واپس آ رہے تھے تو آپؑ کو نبوت اور رسالت ملی (اس کی پوری تفصیل آگے جا کر سورۂ طٰہٰ اور سورۃ القصص میں آئے گی)۔ اس پسِ منظر میں فرعون کے ساتھ آپؑ کا بات کرنے کا انداز بھی کسی عام آدمی جیسا نہیں تھا۔ آپؑ نے بڑے واضح اور بے باک انداز میں فرعون کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو! میرا یہ منصب نہیں اور یہ بات میرے شایانِ شان نہیں کہ میں تم سے کوئی لایعنی اور جھوٹی بات کروں۔

﴿قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ ''میں لے کر آیا ہوں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک کھلی نشانی' تو بنی اسرائیل کو

میرے ساتھ بھیج دو۔‘‘

بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کی وساطت سے فلسطین سے آ کر مصر میں اس وقت آباد ہوئے تھے جب یہاں ایک عربی النسل خاندان کی حکومت تھی۔ اس خاندان کے بادشاہ ’’چرواہے بادشاہ‘‘ (Hiksos Kings) کہلاتے تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے احترام کی وجہ سے بنی اسرائیل کو معاشرے میں ایک خصوصی مقام حاصل رہا اور وہ صدیوں تک عیش و عشرت کی زندگی گزارتے رہے۔ اس کے بعد کسی دور میں مصر کے اندر قوم پرست عناصر کے زیر اثر انقلاب آیا۔ اس انقلاب کے نتیجے میں حکمران خاندان کو ملک بدر کر دیا گیا اور یہاں قبطی قوم کی حکومت قائم ہوگئی۔ یہ لوگ مصر کے اصل باشندے تھے۔ بنی اسرائیل کے لیے یہ تبدیلی بڑی منحوس ثابت ہوئی۔ سابق شاہی خاندان کے چہیتے ہونے کی وجہ سے وہ قبطی حکومت کے زیر عتاب آ گئے اور ان کی حیثیت اور زندگی بتدریج پست سے پست اور سخت سے سخت ہوتی چلی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہ لوگ مصر میں غلامانہ زندگی گزار رہے تھے‘ بلکہ فرعونوں کی طرف سے آئے روز ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ یہ وہ حالات تھے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تا کہ وہ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر واپس فلسطین لائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دیا جائے۔

آیت ۱۰۶ ﴿قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۱۰۶﴾ ’’اُس (فرعون) نے کہا: اچھا اگر تم (واقعی) کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو اسے پیش کرو‘ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔‘‘

آیت ۱۰۷ ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۱۰۷﴾ ’’تو (موسیٰ علیہ السلام نے) اپنا عصا پھینکا‘ تو اسی وقت وہ ایک حقیقی اژدھا بن گیا۔‘‘

آیت ۱۰۸ ﴿وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۱۰۸﴾ ’’اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) نکالا تو اچانک وہ تھا دیکھنے والوں کے لیے سفید (چمکدار)۔‘‘

آیت ۱۰۹ ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۱۰۹﴾ ’’فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ یہ تو واقعتاً کوئی بہت ماہر جادوگر ہے۔‘‘

انہوں نے کہا ہوگا کہ یہ جو یہاں سے جان بچا کر بھاگ گیا تھا اور کئی سال بعد واپس آیا ہے تو کہیں سے بہت بڑا جادو سیکھ کر آیا ہے۔

آیت ۱۱۰ ﴿يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۱۱۰﴾ ’’یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کرے‘ تو اب تمہاری کیا رائے ہے؟‘‘

یہ تو چاہتا ہے کہ جادو کے زور پر تمہیں اس ملک سے نکال کر یہاں خود اپنی حکومت قائم کر لے۔ اس نازک صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کیا حکمتِ عملی اختیار کی جائے؟

آیت ۱۱۱ ﴿قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۱۱۱﴾ ’’(پھر مشورہ دیتے ہوئے) انہوں نے کہا کہ (فی الحال) موسیٰ اور اس کے بھائی کے معاملے کو مؤخر رکھیں اور مختلف شہروں میں ہرکارے بھیج دیں۔‘‘

یعنی ابھی فوری طور پر ان کے خلاف کوئی ردِّعمل ظاہر نہ کیا جائے۔ انہیں مناسب انداز میں ٹالتے ہوئے مؤثر جوابی حکمت عملی اپنانے کے لیے وقت حاصل کیا جائے اور اس دوران ملک کے تمام علاقوں کی طرف اپنے اہلکار روانہ کر دیے جائیں۔

آیت ۱۱۲ ﴿يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۱۱۲﴾ ’’جو آپ کے پاس لے آئیں تمام ماہر جادوگروں کو۔‘‘

ملک کے کونے کونے سے چوٹی کے جادوگروں کو بلا کر ایک عوامی اجتماع کے سامنے مقابلے میں انہیں شکست سے دوچار کیا جائے تا کہ لوگوں کے ذہنوں میں جنم لینے والے خوف کے اثرات زائل ہو سکیں۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۱۱۳﴾ ’’اور وہ جادوگر فرعون کے پاس آ پہنچے‘ انہوں نے کہا یقیناً ہمیں اجر تو ملے گا ہی‘ اگر ہم غالب آ گئے!‘‘

یہاں پر غیر ضروری تفاصیل کو چھوڑ کر رسالت کے مقام و منصب اور دنیا داروں کے مادہ پرستانہ کردار کے فرق کو نمایاں کیا جا رہا ہے۔ اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مطالبے کے مطابق انہیں نشانیاں دکھائیں مگر آپؑ کو اس سے کوئی مفاد مطلوب نہیں تھا۔ آپؑ نے فرعون اور اہلِ دربار کو مرعوب کر کے کسی انعام و اکرام کا مطالبہ نہیں کیا۔ جب کہ دوسری طرف

جادوگروں کا کردار خالص مادہ پرستانہ سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ انہوں نے آتے ہی جو مطالبہ کیا وہ مالی منفعت سے متعلق تھا۔

آیت ۱۱۴ ﴿قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ ''اس نے کہا ہاں اور (انعام کے علاوہ) تم مقرّبین میں بھی شامل کر لیے جاؤ گے۔''

تمہیں مالی فوائد اور انعام و اکرام سے بھی نوازا جائے گا اور دربار میں بڑے بڑے مراتب و مناصب بھی عطا کیے جائیں گے۔ اس کے بعد ایک کھلے میدان میں بہت بڑے عوامی اجتماع کے سامنے یہ مقابلہ شروع ہوا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگر ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تو:

آیت ۱۱۵ ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾﴾ ''(جادوگر) کہنے لگے: اے موسیٰ! اب تم پہلے ڈالو گے یا ہم ہو جائیں پہلے ڈالنے والے؟''

آیت ۱۱۶ ﴿قَالَ اَلْقُوْا ۚ﴾ ''(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: تم ڈالو!''

جادوگروں نے اپنی جادو کی چیزیں زمین پر پھینک دیں۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں کسی جگہ پر رسیوں کا ذکر آیا ہے اور کہیں چھڑیوں کا۔ یعنی اپنی جادو کی وہ چیزیں زمین پر پھینک دیں جو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر رکھی تھیں۔

﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ﴾ ''تو جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا''

انہوں نے جادو کے زور سے حاضرین کی نظر بندی کر دی جس کے نتیجے میں لوگوں کو رسیوں اور چھڑیوں کے بجائے زمین پر سانپ اور اژدھے رینگتے ہوئے نظر آنے لگے۔

﴿وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾﴾ ''اور انہوں نے اُن (حاضرین) پر دہشت طاری کر دی اور ظاہر کر دیا بہت بڑا جادو۔''

واقعتاً انہوں نے بھی اپنے فن کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ یہاں اس قصے کی کچھ تفصیل چھوڑ دی گئی ہے، مگر قرآن حکیم کے بعض دوسرے مقامات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے اس مظاہرے کے بعد عارضی طور پر ڈر سے گئے تھے کہ جو معجزہ میرے پاس تھا اسی نوعیت کا مظاہرہ انہوں نے کر دکھایا ہے، تو پھر فرق کیا رہ گیا! تب اللہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ

ڈرو نہیں، بلکہ تمہارے ہاتھ میں جو عصا ہے اسے زمین پر پھینک دو!

آیت ۱۱۷ ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾﴾ ''اور ہم نے وحی کی موسیٰ کو کہ ڈالو (تو سہی ذرا) اپنا عصا، تو دفعتہً وہ (اژدھا بن کر) نگلنے لگا ان سب کو جو وہ گھڑ لائے تھے۔''

موسیٰ علیہ السلام کا عصا پھینکنا تھا کہ آن کی آن میں وہ اس جھوٹے طلسم کو نگلتا چلا گیا۔

آیت ۱۱۸ ﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾ ''پس حق ظاہر ہو گیا اور جو کچھ وہ کر رہے تھے وہ باطل ہو کر رہ گیا۔''

آیت ۱۱۹ ﴿فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾﴾ ''تو یہ (جادوگر) اُسی وقت مغلوب ہو گئے اور وہ (فرعون اور اس کے سردار) ذلیل ہو کر رہ گئے۔''

یعنی فرعون کے بلائے ہوئے بڑے بڑے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے مغلوب ہو گئے اور نتیجتاً فرعون اور اس کی قوم کے سردار ذلیل ہو کر رہ گئے۔

آیت ۱۲۰ ﴿وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾﴾ ''اور جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے۔''

یعنی ایسے لگا جیسے جادوگروں کو کسی نے سجدے میں گرا دیا ہے۔ ان پر یہ کیفیت حق کے منکشف ہو جانے کے بعد طاری ہوئی۔ یہ ایک ایسی صورتِ حال تھی کہ جب کسی باضمیر انسان کے سامنے حق کو مان لینے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ (option) رہ ہی نہیں جاتا۔

آیت ۱۲۱ ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾﴾ ''وہ (فوراً) پکار اٹھے کہ ہم ایمان لے آئے تمام جہانوں کے رب پر۔''

آیت ۱۲۲ ﴿رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾﴾ ''موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر۔''

آخر کیا وجہ تھی کہ جادوگر مغلوب ہوئے تو فوراً ایمان لے آئے اور وہ بھی انتہائی پختہ یقین اور استقامت والا ایمان! کہاں وہ فرعون سے انعام کی بھیک مانگ رہے تھے اور کہاں اب اسے خاطر میں نہ لاتے ہوئے نتائج سے بے پروا ہو کر ڈنکے کی چوٹ پر اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔ جادوگروں کے اس رویے کی منطقی توجیہہ یہ ہے کہ جو شخص کسی فن کا ماہر ہو اسے اس فن کے ممکنات کی انتہا اور اس کے حدود و قیود (limitations) کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ وہ اپنے فن کے مخصوص میدان (field of specialization) میں کسی چیز کی قدر، اہمیت،

معیار وغیرہ کو صحیح پہچان سکتا ہے۔ جادوگر جو اپنے فن کے منجھے ہوئے ماہرین تھے وہ فوراً پہچان گئے تھے کہ ان کے جادو کے مقابلے میں جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا ہے وہ جادو سے ماوراء کوئی چیز ہے۔ لہٰذا جس حقیقت کا ادراک فرعون اور اس کے امراء نہ کر سکے وہ بجلی کی ایک کوند (flash) کی مانند آناً فاناً جادوگروں کے دلوں کے تاریک گوشوں کو روشن کر گئی اور ان کو ایسا ایمان نصیب ہوا جس کی جرأتِ اظہار اور استقامت نے فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو پریشان کر دیا۔

آیت ۱۲۳ ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ ''فرعون نے کہا (تمہاری یہ جرأت کہ) تم ایمان لے آئے ہو اس پر اس سے قبل کہ میں تمہیں اجازت دوں!''

﴿اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾ ''یہ تمہاری ایک (سوچی سمجھی) سازش ہے جو تم سب نے مل کر چلی ہے شہر کے اندر''

اب فرعون کی جان پر بن گئی کہ لوگوں پر جادوگروں کی اس شکست کا کیا اثر پڑے گا' عوام کو کیسے مطمئن کیا جا سکے گا؟ لیکن وہ بڑا ذہین اور genius شخص تھا' فوراً پینترا بدلا اور بولا مجھے سب پتا چل گیا ہے' یہ موسیٰ بھی تمہارا ہی ساتھی ہے' تمہارا گروگھنٹال ہے۔ یہ سب تمہاری آپس کی ملی بھگت کا نتیجہ ہے اور تم سب نے مل کر ہمارے خلاف ایک سازش کا جال بنا ہے۔

﴿لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾﴾ ''تاکہ نکال دو اس (شہر) میں سے اس کے باسیوں کو' تو تمہیں عنقریب پتا چل جائے گا۔''

آیت ۱۲۴ ﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾﴾

''میں کاٹ ڈالوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے اور پھر میں سولی پر چڑھا دوں گا تم سب کو۔''

آیت ۱۲۵ ﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾﴾ ''انہوں نے کہا (ٹھیک ہے) ہمیں تو اپنے ربّ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

جادوگروں پر انکشافِ حق سے حاصل ہونے والی یقین کی پختگی اور گہرائی کا یہ عالم تھا کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کی اتنی بڑی دھمکی ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی لرزش پیدا نہ کر سکی۔ ان کے اس جواب کے ایک ایک لفظ سے ان کے دل کا اطمینان جھلکتا اور چھلکتا ہوا

محسوس ہو رہا ہے۔

آیت ۱۲۶ ﴿وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ﴾ ''اور تم ہم سے کس بات کا انتقام لے رہے ہو سوائے اس کے کہ ہم ایمان لے آئے اپنے رب کی آیات پر جب وہ ہمارے پاس آ گئیں!''

﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾﴾ ''اے ہمارے ربّ! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں وفات دیجیو مسلم ہی کی حیثیت سے۔''

یعنی ایمان کے راستے میں جو آزمائش آنے والی ہے اس کی سختیوں کو جھیلتے ہوئے کہیں دامن صبر ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ نہ جائے اور ہم کفر میں دوبارہ لوٹ نہ جائیں۔ اے اللہ! ہمیں صبر اور استقامت عطا فرما' اور اگر ہمیں موت آئے تو تیری اطاعت اور فرمانبرداری کی حالت میں آئے۔

اس واقعے کے بعد بھی فرعون عملی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کوئی ٹھوس اقدام نہ کر سکا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اب بھی شہر میں لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے اور بنی اسرائیل کو منظم کرنے میں مصروف رہے۔ قوم کے نوجوانوں نے آپؑ کی دعوت پر لبیک کہا اور وہ آپؑ کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔ آپؑ کی اس طرح کی سرگرمیوں سے حکومتی عہدیداروں کے اندر بجا طور پر تشویش پیدا ہوئی اور بالآخر انہوں نے فرعون سے اس بارے میں شکایت کی۔

آیات ۱۲۷ تا ۱۴۱

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَاۗءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا
بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ
بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ
وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا وَقَعَ
عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ
عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا
عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ
فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَوْرَثْنَا
الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ
بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا
صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝
وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ
لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ
تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ قَالَ
اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ
اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ
نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

آیت ۱۲۷ ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي
الْاَرْضِ﴾ ’’اور کہا قومِ فرعون کے سرداروں نے (فرعون سے) کیا آپ موسیٰ اور اس
کی قوم کو اسی طرح چھوڑے رکھیں گے کہ وہ زمین کے اندر فساد مچائیں‘‘

﴿وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ﴾ ’’اور آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ دیں!‘‘

جس نئے نظریے کا پرچار وہ کر رہے ہیں اگر وہ لوگوں میں مقبول ہوتا گیا اور اس نظریے پر لوگ اکٹھے اور منظم ہو گئے تو ہمارے خلاف بغاوت پھوٹ پڑے گی۔ اس طرح ملک میں فساد پھیلنے کا سخت اندیشہ ہے۔

یہاں پہ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ قومِ فرعون کے معبود بھی تھے۔ ان کا سب سے بڑا الٰہ تو سورج تھا۔ لہٰذا معاملہ یہ نہیں تھا کہ وہ خدا صرف فرعون کو مانتے تھے۔ فرعون کی خدائی سیاسی تھی‘ اس کا دعویٰ تھا کہ حکومت میری ہے‘ اقتدار و اختیار (sovereignty) کا مالک میں ہوں۔ نمرود کی خدائی کا دعویٰ بھی اسی طرح کا تھا۔ باقی پوجا پاٹ کے لیے کچھ معبود فرعون اور اس کی قوم نے بھی بنا رکھے تھے جن کے چھوٹ جانے کا انہیں خدشہ تھا۔

﴿قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ﴾ ’’اس نے کہا ہم عنقریب قتل کریں گے ان کے بیٹوں کو اور زندہ رہنے دیں گے ان کی بیٹیوں کو۔‘‘

یہ آزمائش ان پر ایک دفعہ پہلے بھی آ چکی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل جو فرعون برسرِ اقتدار تھا اُس نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر میں اس کے نجومیوں نے اسے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچے کی پیدائش ہونے والی ہے جو بڑا ہو کر آپ کی حکومت ختم کر دے گا۔ چنانچہ اس خدشے کے پیشِ نظر فرعون نے حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے اور صرف لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔ تقریباً چالیس‘ پینتالیس سال بعد اب پھر یہ مرحلہ آ گیا کہ جب موجودہ فرعون کے سرداروں نے اس کی توجہ اس طرف دلائی کہ جسے تم مشتِ غبار سمجھ رہے ہو وہ بڑھتے بڑھتے اگر طوفان بن گیا تو پھر کیا کرو گے؟ اگر اس (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے اپنی قوم کو تمہارے خلاف ایک تحریک کی شکل میں منظم کر لیا تو پھر ان کو دبانا مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ ’’Nip the evil in the bud‘‘ کے اصول کے تحت حضرت موسیٰؑ کو قتل کر دیا جائے‘ لیکن فرعون کے دل میں اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے محبت ڈالی ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ وہی فرعون تھا جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھائیوں کا سا رشتہ تھا‘ جس کی وجہ سے اس کے دل میں آپؑ کے لیے طبعی محبت ابھی بھی موجود تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے آپؑ کو قتل کرنے کے بارے میں نہیں سوچا‘ بلکہ اس کے بجائے اس نے بنی اسرائیل کو دبانے کے لیے پھر سے اپنے باپ کا

پرانا حکم نافذ کرانے کا عندیہ دے دیا کہ ہم ان کے لڑکوں کو قتل کرتے رہیں گے تاکہ موسیٰؑ کو اپنی قوم سے اجتماعی افرادی قوت مہیا نہ ہو سکے۔

﴿وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ﴾ ’’اور یقیناً ہم ان پر پوری طرح غالب ہیں۔‘‘

گویا اب درباریوں اور امراء کا حوصلہ بڑھانے کے انداز میں کہا جا رہا ہے کہ تم کیوں گھبراتے ہو‘ ہم پوری طرح ان پر چھائے ہوئے ہیں‘ یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

آیت ۱۲۸ ﴿قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾ ’’موسیٰؑ نے اپنی قوم (اہلِ ایمان) سے کہا کہ اب تم لوگ اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو؟‘‘

﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ ’’یقیناً یہ زمین اللہ کی ہے‘ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے‘ لیکن عاقبت (آخرت) تو تقویٰ والوں کے لیے ہی ہے۔‘‘

یعنی اتنی بڑی آزمائش میں ثابت قدم رہنے کے لیے اللہ سے مدد کی دعا کرتے رہو اور صبر کا دامن تھامے رکھو۔ انجام کار کی کامیابی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والوں کا مقدر ہے۔

آیت ۱۲۹ ﴿قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ﴾ ’’وہ کہنے لگے (اے موسیٰؑ) ہمیں تو ایذا پہنچی آپؑ کے آنے سے قبل بھی اور آپؑ کے آنے کے بعد بھی۔‘‘

ان الفاظ سے اس مظلوم قوم کی بے بسی اور بے چارگی ٹپک رہی ہے‘ کہ پہلے بھی ہمارا یہی حال تھا کہ ہم بدترین ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے‘ اور اب آپؑ کے آنے کے بعد بھی ہمارے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکی۔

﴿قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ ’’(موسیٰؑ نے) فرمایا (گھبراؤ نہیں!) ہو سکتا ہے عنقریب اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں خلافت عطا کر دے زمین میں‘ پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو!‘‘

یہ آیت مسلمانانِ پاکستان کے لیے بھی خاص طور پر لمحۂ فکریہ ہے۔ برعظیم پاک و ہند کے مسلمان بھی غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ متحدہ ہندوستان اگر ایک وحدت

کی حیثیت سے آزاد ہوا تو کثرتِ آبادی کی وجہ سے ہندو ہمیشہ ہم پر غالب رہیں گے‘ کیونکہ جدید دنیا کا جمہوری اصول ’’one man one vote‘‘ ہے۔ اس طرح ہندو ہمیں دبا لیں گے‘ ہمارا استحصال کریں گے‘ ہمارے دین و مذہب‘ تہذیب و تمدن‘ سیاست و معیشت اور زبان و معاشرت ہر چیز کو برباد کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایک الگ آزاد وطن حاصل کرنے کے لیے تحریک چلائی۔ اس تحریک کا نعرہ یہی تھا کہ مسلمان قوم کو اپنے دین و مذہب‘ ثقافت اور معاشرت وغیرہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے ایک الگ وطن کی ضرورت ہے۔ اس تحریک میں اللہ نے انہیں کامیابی دی اور انہیں ایک آزاد خود مختار ملک کا مالک بنا دیا۔ ابھی اس حوالے سے اس آیت کا دوبارہ مطالعہ کیجیے: ﴿وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ کہ وہ تمہیں زمین میں طاقت اور اقتدار عطا کرے گا اور پھر دیکھے گا کہ تم لوگ کیسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہو! اس ملک میں اللہ کی حکومت قائم کر کے دین کو غالب کرتے ہو یا اپنی مرضی کی حکومت قائم کر کے اپنی خواہشات کے مطابق نظام چلاتے ہو۔

آیت ۱۳۰ ﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ ’’اور ہم نے پکڑا آلِ فرعون کو لگاتار قحط سالی اور فصلوں کی تباہی سے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔‘‘

یہ وہی قانون ہے جس کا ذکر اسی سورت کی آیت ۹۴ میں ہو چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف کوئی رسول بھیجتا ہے تو انہیں آزمائشوں اور مصیبتوں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ خوابِ غفلت سے جاگیں اور دعوتِ حق کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آلِ فرعون کی طرف مبعوث ہوئے اور آپؑ نے اپنی دعوت شروع کی تو اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے قومِ فرعون پر بھی چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجنے شروع کیے تاکہ وہ ہوش میں آ جائیں۔

آیت ۱۳۱ ﴿فَاِذَا جَاۗءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ﴾ ’’تو جب بھی حالات بہتر ہو جاتے تو وہ لوگ کہتے یہ ہمارے لیے ہے۔‘‘

﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ﴾ ’’اور جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو اسے وہ نحوست سمجھتے موسیٰؑ اور آپؑ کے ساتھیوں کی۔‘‘

﴿اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ’’آگاہ ہو جاؤ کہ ان کی شومیٔ قسمت اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔‘‘

جب ان کے حالات قدرے بہتر ہوتے یعنی فصلیں وغیرہ ٹھیک ہو جاتیں' خوشحالی آتی اور ان کو آسائش حاصل ہوتی تو وہ کہتے کہ یہ ہماری محنت' منصوبہ بندی اور کوشش کا نتیجہ ہے' یہ ہمارا استحقاق ہے۔ اور جب ان کو فصلوں میں نقصان ہوتا یا کسی اور قسم کے مالی نقصانات کا انہیں سامنا کرنا پڑتا تو وہ اس سب کچھ کی ذمہ داری حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھیوں پر ڈال دیتے کہ ہمارا یہ نقصان ان کی نحوست کی وجہ سے ہوا ہے۔

آیت ۱۳۲ ﴿وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۲﴾ ''اور وہ کہتے کہ (اے موسیٰ) تم ہمارے اوپر خواہ کوئی بھی نشانی لے آؤ تا کہ اس سے ہم پر جادو کرو' مگر ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔''

وہ تحدّی کے انداز میں کہتے کہ اے موسیٰ! یہ جو تم اپنے جادو کے زور سے ہم پر مصیبتیں لا رہے ہو تو تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم تمہارے جادو کے زیر اثر اپنے عقائد سے برگشتہ ہو جائیں گے؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا! ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں!

آیت ۱۳۳ ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ﴾ ''پھر ہم نے بھیجے ان کے اوپر طوفان اور ٹڈی دَل' اور چیچڑیاں اور مینڈک اور خون''

ان پر طوفانِ بادو باراں بھی آیا۔ ٹڈی دَل ان کی فصلوں کو چٹ کر جاتی تھیں۔ چیچڑیاں' جوئیں' کھٹمل اور پسّوان کو کاٹتے تھے اور ان کا خون چوستے تھے اور ان کے اناج میں کثرت سے سرسریاں پڑ جاتیں۔ مینڈک ان کے گھروں' بستروں اور برتنوں وغیرہ میں ہر جگہ پیدا ہو جاتے تھے۔ اسی طرح ان پر خون کی بارش بھی ہوتی تھی اور کھانے پینے کی چیزوں میں بھی خون شامل ہو جاتا تھا۔

﴿اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ﴾ ''(ہم نے بھیجیں یہ) نشانیاں وقفے وقفے سے''

یہ ساری مصیبتیں اور آزمائشیں یکبارگی ان پر مسلّط نہیں ہو گئی تھیں' بلکہ وقفے وقفے سے یکے بعد دیگرے آتی رہیں' کہ شاید کسی ایک مصیبت کو دیکھ کر وہ راہِ راست پر آ جائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کر لیں۔

﴿فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۱۳۳﴾ ''(اس کے باوجود) وہ تکبّر پر اَڑے رہے اور وہ تھے ہی مجرم لوگ۔''

اگلی آیت سے پتا چل رہا ہے کہ بعد میں ان کی یہ اکڑ ختم ہو گئی تھی اور عذاب کو ختم کرانے کے لیے وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منت سماجت کرنے پر بھی تیار ہو گئے تھے۔

آیت ۱۳۴ ﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ﴾ ''اور جب ان پر کوئی عذاب آتا تھا تو وہ کہتے کہ اے موسیٰؑ اپنے ربّ سے دعا کرو اس عہد کے واسطہ سے جو اُس نے تم سے کر رکھا ہے۔''

﴿لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ﴾ ''اگر تم نے ہم سے اس عذاب کو ہٹا دیا تو ہم لازماً تمہاری بات مان لیں گے''

آمَنَ کے ساتھ جب ''ل'' کا صلہ آتا ہے (جیسے لَكَ) تو اس سے مراد عقیدہ والا ''ایمان'' نہیں ہوتا' بلکہ اس طرح کسی کی بات کو سرسری انداز میں ماننے کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ''لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ'' کا مطلب ہے کہ ہم لازماً تمہاری بات مان لیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ جب ''ب'' کا صلہ آئے' جیسا کہ ''آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ'' میں ہے تو اس کے معنی پورے وثوق' یقین اور گہرے اعتماد کے ساتھ ماننے کے ہوتے ہیں' یعنی ایمان لانا۔

﴿وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۱۳۴﴾ ''اور ہم بنی اسرائیل کو بھی لازماً تمہارے ساتھ بھیج دیں گے۔''

مصر میں بنی اسرائیل کی حیثیت حکمران خاندان کے غلاموں کی سی تھی۔ فراعنہ ان سے مشکل اور بھاری کام بیگار میں کرواتے تھے۔ اہرامِ مصر کی تعمیر کے دوران نہ جانے کتنے ہزار اسرائیلی اس بے رحم مشقت کے سبب جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ان کی ہڈیاں اہرامِ مصر کی بنیادوں میں دفن ہو گئیں۔ اہراموں کی تعمیر کے دوران سینکڑوں من وزنی چٹانیں اوپر کھینچی جاتی تھیں۔ اس دوران اگر کوئی چٹان نیچے گر جاتی تو اس کے نیچے سینکڑوں اسرائیلی پِس جاتے۔ چونکہ وہ لوگ فرعون کے مفت کے کارندے تھے لہٰذا وہ ان کو آسانی سے چھوڑنے والا نہیں تھا۔ لیکن ان آیات سے پتا چلتا ہے کہ یکے بعد دیگرے آنے والے عذاب سہہ سہہ کر فرعون اور اُس کے امراء کا غرور و تکبر کچھ کم ہوا تھا۔ چنانچہ جب وہ لوگ زیادہ عاجز آ جاتے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ بھی کرتے تھے کہ اگر یہ مصیبت ٹل جائے تو ہم آپؑ کی بات مان لیں گے اور آپؑ کی قوم کو آپؑ کے ساتھ بھیج دیں گے۔

آیت ۱۳۵ ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝۱۳۵﴾

''لیکن جب ہم ان سے اس مصیبت کو دور کر دیتے تھے ایک خاص مدت کے لیے کہ جس تک وہ پہنچنے والے ہوتے تو وہ دفعتہً عہد توڑ دیتے تھے۔''

آیت ۱۳۶ ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ۝﴾ ''پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم نے انہیں سمندر میں غرق کر دیا' اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ان (آیات) سے تغافل برتتے رہے۔''

آیت ۱۳۷ ﴿وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ﴾ ''اور جن لوگوں کو دبا لیا گیا تھا (اب) ہم نے انہیں وارث بنا دیا اس زمین کے مشرق و مغرب کا جس کو ہم نے بابرکت بنایا تھا۔''

یہاں پر مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا کی ترکیب کی خاص ادبی (literary) اہمیت ہے جو فقرے میں ایک خوبصورت rhythm پیدا کر رہی ہے۔ اس آیت کا سادہ مفہوم یہی ہے کہ بنی اسرائیل جو مصر میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے ان کو وہاں سے اٹھا کر پورے فلسطین کا وارث بنا دیا۔ ارضِ فلسطین کی خصوصی برکت کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں بھی بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ کے الفاظ کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ سرزمین اس لیے بھی متبرک ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد یہ سینکڑوں انبیاء کا مسکن و مدفن رہی ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک امتیازی نوعیت کی زرخیزی سے نوازا ہے۔

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ﴾ ''اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا اس وجہ سے کہ وہ ثابت قدم رہے۔''

ان میں سے جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے انہوں نے واقعتاً سخت ترین آزمائشوں پر صبر کیا اور ثابت قدمی دکھائی اور اس سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمایا۔

﴿وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ۝﴾ ''اور ہم نے تباہ و برباد کر ڈالا وہ سب کچھ جو فرعون اور اس کی قوم (اونچے محلات) بناتے تھے اور (باغات میں انگور کی بیلوں وغیرہ کے لیے چھتریاں) چڑھاتے تھے۔''

یعنی فرعون اور اس کی قوم کی ساری تعمیرات اور ان کے سارے باغ و چمن ملیا میٹ

کر دیے گئے۔

اب اگلی آیات میں بنی اسرائیل کے مصر سے صحرائے سینا تک کے سفر کا تذکرہ ہے۔ یہ واقعات مدنی سورتوں میں بھی متعدد بار آ چکے ہیں۔ Old Testament کی کتاب الخروج (Exodus) میں بھی اس سفر کی کچھ تفصیلات ملتی ہیں۔

آیت ۱۳۸ ﴿وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ﴾ ''اور پار اُتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے''

بنی اسرائیل خلیج سویز کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا میں داخل ہوئے تھے۔

﴿فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ﴾ ''تو ان کا گزر ہوا ایک ایسی قوم پر جو اعتکاف کر رہی تھی اپنے بُتوں کا۔''

بتوں کا اعتکاف کرنے سے مراد بُتوں کے سامنے پوری توجہ اور یکسوئی سے بیٹھنا ہے جو بت پرستوں کا طریقہ ہے۔ بُت پرستی کے اس فلسفے پر ڈاکٹر رادھا کرشنن (۱۸۸۸ء تا ۱۹۷۵ء) نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن ساٹھ کی دہائی میں ہندوستان کے صدر بھی رہے۔ انہوں نے اپنی تصنیفات کے ذریعے ہندوستان کے فلسفے کو زندہ کیا۔ یہ برٹرینڈ رسل (۱۸۷۲ء تا ۱۹۷۰ء) کے ہم عصر تھے اور یہ دونوں اپنے زمانے میں چوٹی کے فلسفی تھے۔ برٹرینڈ رسل ملحد تھا جبکہ ڈاکٹر رادھا کرشنن مذہبی تھا۔ اتفاق سے ان دونوں نے کم و بیش 90 سال کی عمر پائی۔ بت پرستی کے بارے میں ڈاکٹر رادھا کرشنن کے فلسفے کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم جو کسی دیوی یا دیوتا کے نام کے بت بناتے ہیں تو ہم ان بتوں کو اپنے نفع یا نقصان کا مالک نہیں سمجھتے' بلکہ ہمارا اصل مقصد ایک مجسّم چیز کے ذریعے سے توجہ مرکوز کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ تصوراتی انداز میں ان دیوتاؤں کے بارے میں مراقبہ کرنا اور پوری توجہ کے ساتھ ان کی طرف دھیان کرنا بہت مشکل ہے' جبکہ مجسمہ یا تصویر سامنے رکھ کر توجہ مرکوز کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی انسانی کمزوری کو علامہ اقبال نے اپنی نظم ''شکوہ'' میں اس طرح بیان کیا ہے ؎

خوگرِ پیکر محسوس تھی انساں کی نظر مانتا پھر کوئی اَن دیکھے خدا کو کیونکر!

بہرحال بنی اسرائیل نے اس بُت پرست قوم کو اپنے بتوں کی عبادت میں مشغول پایا تو ان کا جی بھی للچانے لگا اور انہیں ایک مصنوعی خدا کی ضرورت محسوس ہوئی۔

﴿قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ﴾ ''انہوں نے کہا کہ اے

موسیٰؑ ہمارے لیے بھی کوئی معبود بنا دو جیسے اُن کے معبود ہیں۔''

اس قوم کی حالت دیکھ کر بنی اسرائیل کا بھی جی چاہا کہ ہمارے لیے بھی کوئی اس طرح کا معبود ہو جس کو سامنے رکھ کر ہم اس کی پوجا کریں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنی اسی خواہش کا اظہار کر ہی دیا۔ جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سخت ڈانٹ پلائی:

﴿قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾﴾ ''آپؑ نے فرمایا کہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو!''

تم کتنی بڑی نادانی اور جہالت کی بات کر رہے ہو!

آیت ۱۳۹ ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾﴾ ''یہ لوگ جس چیز میں پڑے ہیں وہ سب کچھ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں وہ سب باطل ہے۔''

آیت ۱۴۰ ﴿قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾﴾ ''(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں، جب کہ اس نے تمہیں فضیلت دی ہے تمام جہان والوں پر!''

آیت ۱۴۱ ﴿وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ﴾ ''اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں نجات دی آلِ فرعون سے، جو تمہیں مبتلا کیے ہوئے تھے بدترین عذاب میں۔''

﴿يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾﴾ ''وہ قتل کر ڈالتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری بیٹیوں کو، اور یقیناً اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔''

تقریباً یہی الفاظ سورۃ البقرۃ (آیت ۴۹) میں بھی گزر چکے ہیں۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

فلسفۂ انقلاب کے نقطۂ نظر سے

سیرت النبی ﷺ کا اجمالی مطالعہ

منہج انقلابِ نبویؐ

غارِ حرا کی تنہائیوں سے لے کر
مدینۃ النبیؐ میں اسلامی ریاست کی تشکیل
اور اس کی بین الاقوامی توسیع تک،
اسلامی انقلاب کے مراحل، مدارج اور لوازم پر مشتمل

بانیٔ تنظیم اسلامی
محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمۃ اللہ علیہ
کے دس خطباتِ جمعہ کا مجموعہ

❁ صفحات: 375 ❁ قیمت اشاعت خاص: 400 روپے اشاعت عام: 200 روپے

❁❁❁

''منہجِ انقلابِ نبویؐ'' کے مباحث کی تلخیص پر مشتمل کتابچہ

رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب

❁ صفحات: 64 ❁ قیمت اشاعت خاص: 40 روپے ❁ اشاعت عام: 20 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-35869501

قُرآن اور امنِ عالَم

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

ستمبر ۱۹۶۸ء میں مجلس طلبائے اسلام پاکستان نے بمقام بنات الاسلام اکیڈمی' گلبرگ' لائل پور (فیصل آباد) اپنا پہلا سالانہ تربیتی اجتماع منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تھا' جس میں بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کو ''اسلام اور امنِ عالم'' کے موضوع پر خطاب کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اس اجتماع کی عمومی نشستیں تو بعد میں حکام کے امتناعی احکام کے پیش نظر منعقد نہ ہوسکیں' البتہ کچھ شہر کے مقامی طلبہ اور کچھ باہر سے آنے والے مندوبین اپنے خصوصی اجلاس منعقد کرتے رہے۔ ایسی ہی ایک نشست میں محترم ڈاکٹر صاحب نے نہایت فکر انگیز اظہارِ خیال فرمایا' جسے افادۂ عام کی غرض سے کتابچے کی صورت میں شائع کر دیا گیا۔ امن و امان کی موجودہ عالمی صورتِ حال اور اہلِ مغرب کے اسلام اور مسلمانوں پر دہشت گردی کے الزامات کے تناظر میں آج اس تحریر کی افادیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور اسے بہت بڑے پیمانے پر عام کرنے کی ضرورت ہے (ادارہ)

حمد وثنا' درود وسلام اور دعا کے بعد:

عزیز طلبہ!

آج آپ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے میں ایک خصوصی مسرت محسوس کر رہا ہوں' جس کے دو اسباب ہیں: پہلا یہ کہ ابھی خود مجھے طالب علمی کے دور سے گزرے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ ۱۹۵۴ء میں' میں ایم بی بی ایس کے فائنل امتحان سے فارغ ہوا تھا' اور ایک تو ویسے ہی گزرا ہوا وقت بہت مختصر معلوم ہوا کرتا ہے' چنانچہ قیامِ قیامت کے وقت لوگ نہ صرف اپنی پوری دنیوی زندگی بلکہ پورے دورِ عالم برزخ کو بھی بس ایک رات یا اس کی صبح جتنا مختصر محسوس کریں گے (۱)' پھر چودہ سال تو واقعتاً بہت قلیل

(۱) ﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ۝﴾ (النزعت)

مدت ہے —— علاوہ بریں میرا معاملہ تو خاص طور پر یہ ہے کہ میں نے اس پورے عرصے میں بھی اپنے آپ کو ایک طالب علم ہی محسوس کیا' اور واقعہ یہ ہے کہ اب بھی میں خود کو بس ایک طالب علم ہی سمجھتا ہوں۔ چنانچہ شاید آپ یہ جان کر حیران ہوں کہ میں نے آج سے تین سال قبل ایک باقاعدہ طالب علم کی حیثیت سے کراچی یونیورسٹی میں داخلہ لے کر ایم اے اسلامیات کا امتحان پاس کیا اور اس میں قطعاً کوئی حجاب محسوس نہ کیا' اور آج آپ کے مابین میں بالکل صحبتِ ہم جنس کی سی کیفیت محسوس کر رہا ہوں —— آج کے اس اجتماع سے خطاب کرنے میں جو مسرت مجھے حاصل ہوئی ہے اس کا ایک سبب اور بھی ہے جسے میں اپنی گزارشات کے آخر میں بیان کروں گا۔

حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ مجھے 'اسلام اور امنِ عالم' کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا ہے۔ میں اس موضوع پر تین سطحوں (levels) پر گفتگو کروں گا: ایک انفرادی امن' دوسرے سیاسی و معاشرتی سلامتی اور تیسرے امنِ عالم۔

(۱) انفرادی امن وسکون

آپ شاید حیران ہوں کہ امن عالم پر گفتگو اور اس کی ابتدا انفرادی سکون واطمینان سے! لیکن آپ ذرا غور سے کام لیں گے تو خود محسوس فرمالیں گے کہ عالمی امن کے قیام میں اصل فیصلہ کن عامل افرادِ نسل انسانی کا انفرادی سکون واطمینان ہی ہے' اس لیے کہ:

(۱) پورے عالمِ انسانی کی اصل اکائی (unit) بہرحال فرد ہی ہے۔ جس طرح ایک فصیل چاہے وہ کتنی ہی لمبی' چوڑی اور اونچی کیوں نہ ہو' بنی تو بہرحال اینٹوں ہی سے ہوتی ہے اور اس کی مضبوطی کا سارا دارومدار اینٹوں کی پختگی ہی پر ہوتا ہے' اسی طرح امنِ عالم کا تصور بھی افرادِ نسلِ انسانی کے داخلی سکون واطمینان کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) واقعہ یہ ہے کہ انسان 'عالمِ اصغر' ہے اور اس کے باطن میں نہ صرف یہ کہ عالمِ ارضی بلکہ پوری کائنات منعکس موجود ہے۔ اس حقیقتِ عظمیٰ کو نفسیاتِ انسانی کے سب سے بڑے عالموں یعنی صوفیائے اسلام نے خوب سمجھا ہے۔ چنانچہ انہی کی

اصطلاح کو میں نے اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے منتخب کیا ہے۔ اس بات کو تو عام طور پر سب ہی لوگ جانتے ہیں کہ انسان کے باطن پر خارج کے اثرات مترتب ہوتے ہیں اور کائناتِ ارضی وسماوی کے تمام واقعات وحوادث انسان کی داخلی کیفیات پر اثر انداز ہوتے ہیں' لیکن اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں' تاہم یہ ہے ایک امر واقعہ' کہ اس عالمِ اصغر یعنی انسان کا باطن بھی عالمِ اکبر یعنی کائنات پر اثر انداز ہوتا ہے اور خارج کی وسعتوں اور پہنائیوں پر عکس ڈالتا ہے۔ لہٰذا نسلِ انسانی کے افراد کے باطن میں اگر سکون واطمینان موجود ہوگا تو لامحالہ کائناتِ ارضی وسماوی پر بھی اس کا عکس پڑے گا اور امن عالم کا قیام ممکن ہو سکے گا۔

(۳) تاریخِ عالم پر ایک طائرانہ نظر ڈالیے تو صاف نظر آئے گا کہ بسا اوقات بعض افراد کے داخلی انتشار وفساد کی وجہ سے عظیم خوں ریزیاں ہوئیں اور امن عالم تہ و بالا ہوا۔ ہلاکو اور چنگیز خاں اور ہٹلر اور مسولینی ایسے لوگوں کی شخصیتوں کا ذرا دقتِ نظر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ ان کے جذبات و احساسات کے اختلال اور ذہنی وقلبی انتشار ہی کے نتیجے میں پورے عالمِ ارضی کا سکون وچین ختم ہوا اور بے اندازہ قتل وغارت کا بازار گرم ہوا۔

(۴) اِس وقت بھی ذرا آنکھیں بند کر کے سوچیے کہ کریملن اور وہائٹ ہاؤس میں جو معدودے چند لوگ اقتدار واختیار کی گدیوں پر قابض ہیں' ان کے داخلی امن و سکون کا کتنا گہرا تعلق عالمی امن کے ساتھ ہے۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ ان میں سے کسی ایک یا چند ایک کے ذہنی اختلال ہی نہیں محض اعصابی تناؤ کی بدولت کتنی ہلاکت خیز جنگ چھڑ سکتی ہے اور کیسا کچھ خون خرابہ ہو سکتا ہے۔

ایمان

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اسلام کا معاملہ بالکل منفرد نظر آتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کی اساس جن بنیادی اعتقادات پر قائم ہے ان کا مجموعی نام ہی 'ایمان' ہے' جس کا مادہ 'امن' ہے اور جس کا اصل حاصل وہ سکون واطمینان ہے جو اس کی بدولت نفس

انسانی میں پیدا ہوتا ہے۔

ایمان کا اصل الاصول 'ایمان باللہ' ہے' جو عبارت ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے ساتھ توکّل واعتماد اور تسلیم وتفویض کے ایسے تعلق سے جو انسان کو حقیقی امن وسکون اور راحت وچین سے ہمکنار کرتا ہے اور انسان کے داخلی امن کے لیے ایک مثبت ومحکم اساس فراہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک فردِ نوعِ بشر کا مخلصانہ تعلق جس کا اصطلاحی نام 'توحید' ہے' بالآخر انسان کو ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ'' کے اُس مقامِ رضا پر فائز کرتا ہے جہاں پہنچنے کے بعد انسان کو نہ کوئی خطرہ وخدشہ رہتا ہے' نہ حزن وملال[1]' اور اس کے سینے میں انشراح اور قلب میں انبساط کی وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو محسوس تو کی جا سکتی ہے' بیان میں نہیں آ سکتی۔

سورۃ الانعام کی آیات ۸۱۔۸۲ میں پہلے ایک سوال کیا گیا کہ:

﴿فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾﴾

''اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ امن کا اصل حق دار کون سا فریق ہے؟''

اور پھر جواب دیا گیا ہے کہ:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ﴾

''امن تو بس ان کے لیے ہے جو ایمان لائیں اور اس میں شرک کی کوئی آمیزش نہ کریں۔''

غرض ایمان باللہ انسان کے داخلی امن کا واحد مثبت ذریعہ ہے اور قلبِ انسانی کو حقیقی امن وسکون سوائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسے مخلصانہ اور مضبوط ومحکم تعلق کے کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہو سکتا جس کا ذریعہ ذکرِ الٰہی ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾﴾ (الرعد)

''آگاہ ہو جاؤ کہ قلوبِ انسانی ذکرِ الٰہی ہی سے اطمینان پاتے ہیں۔''

نوعِ انسانی کا جو بدنصیب فرد اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم رہے گا اسے ذہنی سکون اور

(۱) ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾﴾ (یونس)
''آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے دوستوں کے لیے نہ کوئی خوف ہے نہ حزن۔''

قلبی اطمینان کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتا۔ پھر لازم ہے کہ اس کی دنیوی خواہشات (worldly ambitions) ہردم بڑھتی چلی جائیں اور وہ طولِ امل کے جال میں پھنستا چلا جائے۔ پھر اکثر و بیشتر تو آرزوؤں اور اُمیدوں کے سراب ہی پر دم توڑ دے‘ اور اگر نسبتاً ذہین تر ہو تو مزید پیچیدہ امراض کا شکار ہو۔ چنانچہ ایک طرف اس کا باطن مختلف اور متضاد خواہشات کے باہمی تصادم کی آماجگاہ بنے‘ جس کے نتیجے میں داخلی انتشار (internal conflicts) پیدا ہوں اور ناکامیاں و نارسائیاں مختلف النوع مایوسیوں (frustrations) کو جنم دیں اور ان سب کے نتیجے میں انسان کا باطن ایک سلگتی ہوئی بھٹی بنا رہے جس میں اس کے دل و جگر کباب ہوتے رہیں‘ اور دوسری جانب ابنائے نوع کے مفادات کے باہمی تصادم سے جُہد للبقاء (struggle for existence) ہی نہیں‘ بلکہ تکاثر و تنافس اور بغی و طغیان کی صورتیں پیدا ہوں اور خدا کی زمین فتنہ و فساد سے بھر جائے۔

اس مرحلے پر ’ایمان‘ ہی کی ایک دوسری شاخ ’ایمان بالآخرۃ‘ جو درحقیقت ایمان باللہ ہی کی ایک فرع ہے‘ انسان کا سہارا بنتی ہے اور انسانی بغی و طغیان کی راہ میں ایک مؤثر رکاوٹ بن کر سامنے آتی ہے اور بعث بعد الموت‘ حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے حقائق کو اُجاگر کر کے انسان کو اپنے جائز حقوق پر قانع اور مناسب حدود کا پابند رہنے پر آمادہ کرتی ہے۔ سورۃ العلق کی آیات ۶ تا ۸ اگرچہ اوّلین وحی تو نہیں لیکن بالکل ابتدائی آیات میں سے ضرور ہیں اور ان کو اوّلین وحی سے بالکل متصل رکھ کر شارع نے ان کی اہمیت کو مزید اُجاگر کر دیا ہے۔ ان میں اسی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ انسان کو حد سے تجاوز اور ظلم و تعدّی سے باز رکھنے والی قوت ایک ہی ہے اور وہ عقیدۂ آخرت ہے۔ فرمایا گیا:

﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝﴾ (العلق)

’’کچھ نہیں‘ انسان سرکشی پر آمادہ ہو ہی جاتا ہے‘ اس لیے کہ پاتا ہے اپنے تئیں آزاد۔ (لیکن اسے) لازماً تیرے پروردگار کے پاس لوٹنا ہے۔‘‘

میری ان گزارشات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امن کی اساس ایمان ہی پر قائم

ہوسکتی ہے اور امن عالم کے قیام کی کوئی سکیم‘ جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ سے شروع نہ ہو‘ قطعاً کامیاب نہیں ہوسکتی۔

اسلام

میں عرض کر چکا ہوں کہ ایمان کا اصل تعلق انسان کی باطنی کیفیات سے ہے اور داخلی امن اس کا سب سے بڑا ثمرہ ہے۔ اس داخلی امن کے ظہورِ خارجی کو اصطلاح میں ’’اسلام‘‘ کہتے ہیں‘ جو خارجی سلامتی کا مظہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان جس ہیئتِ اجتماعی کو جنم دیتا ہے اور جو مسلم معاشرے اور اسلامی ریاست کی مختلف صورتوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے اس کی اساس اسلام پر ہے نہ کہ ایمان پر‘ لیکن یہ ایک ضمنی بات ہے۔ موضوع زیر بحث کے اعتبار سے اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ ایمان و اسلام درحقیقت ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں‘ ایک انسان کے داخلی امن کا مظہر ہے اور دوسرا خارجی سلامتی کا۔ ان عظیم حقائق کو نبی اکرم ﷺ نے اس دعا میں جو آپ ﷺ ہر نئے ماہ کے چاند کو دیکھ کر پڑھا کرتے تھے‘ نہایت فصاحت اور حد درجہ بلاغت کے ساتھ سمو دیا ہے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ))

’’پروردگار! اس ہلال کو ہم پر امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کے ساتھ طلوع فرما۔‘‘ (آمین)

انہی حقائق کو آپ ﷺ نے دوسرے مواقع پر پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا۔ چنانچہ ایک طرف آپ ﷺ نے اس شخص کے ایمان کی نفی پر تین بار اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی جس کی ایذا رسانیوں سے اس کا ہمسایہ امن میں نہ ہو[1]۔ دوسری طرف خلق حسن کو آپ ﷺ نے ایمان اور اسلام دونوں کی بلند ترین منزلیں قرار دیا[2]۔ تیسری

(۱) ((وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ)) قِيْلَ مَنْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((اَلَّذِيْ لَا يَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ)) (رواہ البخاری‘ عن ابی شریح العدوی رضی اللہ عنہ)

(۲) ☆قِيْلَ اَيُّ الْاِيْمَانِ اَفْضَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((خُلُقٌ حَسَنٌ)) (رواہ احمد‘ عن عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ)

☆((اَكْمَلُ الْمُسْلِمِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا)) (رواہ الترمذی و ابوداؤد‘ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

طرف آپ ﷺ نے مسلمان کی تعریف (definition) ہی یہ بیان فرمائی کہ ''مسلم وہ ہے جس کے ہاتھوں اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں''(۱)۔ اور چوتھی طرف عام ہدایت دی کہ ''تم زمین والوں پر رحم کرو' آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''(۲)

(۲) سیاسی ومعاشرتی سلامتی

افرادِ نسل انسانی کے باہمی میل جول اور ربط وتعلق سے پہلے خاندان' پھر کنبہ اور قبیلہ اور اس سے آگے بڑھ کر معاشرہ اور ریاست وجود میں آتے ہیں اور چونکہ یہ عالمِ ارضی بہرحال گنتی کے چند معاشروں اور معدودے چند ریاستوں ہی پر مشتمل ہے اور امنِ عالم سے مراد ان معاشروں اور ریاستوں کے باہمی پرامن ربط وتعلق کے سوا اور کچھ نہیں' لہٰذا ان معاشروں اور ریاستوں کے داخلی امن وسکون کو امنِ عالم سے بالکل وہی نسبت ہے جو ایک فرد کے داخلی امن یعنی ایمان کو اس خارجی سلامت روی یعنی اسلام سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے معاشرتی امن وسکون اور سیاسی عدل وانصاف پر غیرمعمولی زور دیا ہے۔ اسلامی معاشرے اور ریاست کی اکائی ایک فردِ مسلم ہے اور اس کی جو تعریف نبی اکرم ﷺ نے کی اور اس کے جو اوصاف آنحضور ﷺ نے بیان فرمائے ان کو ذہن میں مستحضر کر کے خود غور فرمایئے کہ جس معاشرے کی تعمیر ان اساسات پر ہو اور جس کے باشندے ایسے امن پسند' سلامت رو اور صلح جو واقع ہوئے ہوں اس میں امن وسلامتی کی کیسی فضا پائی جائے گی۔

اسلامی ہیئتِ اجتماعیہ کی مثبت اساس ''اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ'' پر قائم ہے اور اس کا امتیازی نشان یا علم سلامتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دو مسلمانوں کی خالصتاً لوجہ اللہ باہمی محبت کو نیکی کے چوٹی کے اعمال میں شمار فرمایا ہے اور مسلمان معاشرے میں سب سے

(۱) ((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ)) (متفق علیہ' عن عبداللہ بن عمروؓ)

(۲) ((اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ)) (رواہ الترمذی وابوداؤد' عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما)

زیادہ کہی اور سنی جانے والی بات باہم سلامتی کی بشارت اور دعا یعنی ''السلام علیکم'' اور ''وعلیکم السلام'' ہے۔ اسلامی معاشرے کے ان دونوں نمایاں اوصاف کو آنحضور ﷺ نے ایک حدیث مبارک میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

((لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا' اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ' اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ))

(رواہ مسلم والترمذی' عن ابی ہریرۃ ؓ)

''اے مسلمانو! تم جنت میں داخل نہ ہوسکو گے جب تک صاحب ایمان نہ ہو' اور تم صاحب ایمان نہیں ہوسکو گے جب تک باہم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو' تو کیا میں تمہیں ایسا کام نہ بتاؤں جس کے کرنے سے تمہارے مابین محبت پیدا ہوجائے (وہ یہ ہے کہ) اپنے مابین 'سلام' کا خوب چرچا کرو۔''

قربان جایئے اللہ کے رسول ﷺ کے کہ کیسے معجز نما ایجاز کے ساتھ اسلامی معاشرے کی پوری حقیقت از ابتدا تا انتہا کھول کر رکھ دی۔

قرآن حکیم میں سورۃ الحجرات خاص طور پر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے اصول و فروع سے بحث کرتی ہے اور اس میں اسلامی معاشرے اور مسلمان ریاست کے بہت سے اہم اور بنیادی امور بیان ہوئے ہیں۔ میرے لیے یہاں ان سب کا ذکر تو ممکن نہیں' البتہ اس امر کا تذکرہ موضوع زیر گفتگو کے اعتبار سے ضروری ہے کہ اس میں معاشرتی امن وسکون اور صلح وآشتی کی فضا کو برقرار رکھنے کے لیے نہایت باریک بینی کے ساتھ ہدایات دی گئی ہیں۔ چنانچہ ایک طرف افواہوں کی روک تھام اور جھگڑوں اور مناقشوں کے فوری حل کی سخت تاکید کی گئی ہے اور دوسری طرف تمسخر و استہزاء' تفاخر و تباہی' تجسّس وسوءِ ظن اور غیبت و بدگوئی سے احتراز و اجتناب کا بھی نہایت سختی کے ساتھ حکم دیا گیا ہے۔ میں آپ سب حضرات سے تاکیداً عرض کرتا ہوں کہ پوری سورۃ الحجرات کا بنظر غائر مطالعہ کر کے از خود اندازہ کریں کہ اسلام معاشرتی امن و سکون کو کس قدر اہمیت دیتا ہے اور بغض ونفرت کے تمام اسباب کا کتنی باریک بینی کے ساتھ سدّ باب کرتا ہے۔

اس سے بھی آگے بڑھیے تو نظر آتا ہے کہ اجتماعی زندگی کے لیے ایسے زریں اصول قرآن حکیم میں متعیّن کر دیے گئے ہیں کہ جن کی نظیر کسی دوسری آسمانی کتاب میں بھی شاید ہی مل سکے‘ کہیں اور تو اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مثلاً:

(۱) ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠﴾ (المائدۃ:۲)
’’اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو‘ اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ہرگز تعاون نہ کرو۔‘‘

(۲) ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ﴾ (النساء:۱۳۵)
’’عدل و انصاف کے علمبردار اور اللہ کے گواہ بن کر کھڑے ہو‘ چاہے اس کی زد خود تمہارے اپنے اوپر پڑے‘ چاہے تمہارے والدین اور اعزہ و اقرباء پر۔‘‘

(۳) ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ﴾ (المائدۃ:۸)
’’اللہ کے علمبردار اور عدل و انصاف کے گواہ بن کر کھڑے ہو‘ اور کسی گروہ کی عداوت تمہیں عدل و انصاف کی راہ سے ہٹانے نہ پائے۔ عدل سے کام لو‘ اسی کو پرہیزگاری سے زیادہ مناسبت ہے۔‘‘

(۴) ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ﴾ (الحدید:۲۵)
’’ہم نے اپنے رسولوں کو بینات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (شریعت) اتاری‘ تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں۔ اور ہم نے لوہا اتارا جس میں شدید حرب و ضرب کی صلاحیت ہے اور لوگوں کے لیے دوسرے منافع بھی ہیں اور (خصوصاً) اس لیے کہ اللہ دیکھ لے کہ کون ہے وہ جو غیب میں رہتے ہوئے اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے (یعنی عدل و انصاف کے خدائی نظام کو قائم کرتا ہے)۔‘‘

گویا کہ اسلامی ہیئت اجتماعی کے چار ستون برو تقویٰ اور عدل و قسط ہیں‘ اور حیاتِ

اجتماعی کا اصل مقصود و مطلوب اور آلاتِ حرب و ضرب کا اصل منشاء و مصرف اسلام کے نزدیک اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں۔

(۳) امنِ عالم

عالمی امن کے قیام کے لیے جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں‘ اسلام کے پاس دو سکیمیں ہیں‘ ایک دیرپا اور مستقل‘ اور دوسری عارضی و عبوری۔ چنانچہ اب میں مختصراً ان ہی کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔

عالم انسانی میں مضبوط و محکم اور پائیدار و دیرپا امن کے قیام کی صورت تو ایک ہی ہے‘ اور وہ یہ کہ متذکرہ بالا اسلامی معاشرہ اور مسلم ریاست خود وسعت پذیر (expand) ہوں اور رفتہ رفتہ زیادہ سے زیادہ انسانوں حتیٰ کہ پوری انسانیت کو اپنے مضبوط حصارِ امن میں لے کر ہر قسم کے فتنہ و فساد سے مامون و مصئون کر دیں‘ اس لیے کہ واقعہ یہی ہے کہ امن و سلامتی کی اس صراطِ مستقیم کے سوا جو ایمان و اسلام پر مبنی ہے‘ انسان کے لیے سکون اور اطمینان کی کوئی اور راہ ہے ہی نہیں‘ اور انسانی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ انسان نے اس شاہراہ سے ہٹ کر جب کبھی کوئی دوسری راہ اختیار کی‘ خدا کی زمین فتنہ و فساد سے بھر گئی۔

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝﴾ (الفجر)
’’کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کیا کیا تیرے پروردگار نے عاد کے ساتھ‘ یعنی ستونوں والی قومِ ارم کے ساتھ‘ اور قومِ ثمود کے ساتھ جو وادیوں میں چٹانوں کو تراشا کرتے تھے‘ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ‘ جنہوں نے بلادِ ارضی میں سرکشی کی اور ان کو فساد سے بھر دیا!‘‘

لہٰذا اسلام کا اصل زور (emphasis) تو اس دعوت پر ہے کہ پوری نوعِ انسانی اپنے خالق و مالک پر ایمان لے آئے اور اس کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔

(۱) ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ﴾ (التغابن:۸)

’’پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور اس نور (قرآن مجید) پر جو ہم نے نازل فرمایا ہے۔‘‘

(۲) ((اَسۡلِمُوۡا تَسۡلَمُوۡا)) (متفق علیه‘ عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ)

’’اسلام لے آؤ‘ سلامتی پاؤ گے۔‘‘

(۳) ﴿اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً ۪﴾ (البقرۃ:۲۰۸)

’’اسلام (اور سلامتی) میں پورے کے پورے اور سب کے سب داخل ہو جاؤ۔‘‘

(۴) ﴿اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ ﴾ (آل عمران:۱۹)

’’اللہ کے ہاں تو بس ایک ہی دین مقبول ہے اور وہ ہے اسلام۔‘‘

اور اس عالمِ ارضی کے امن و سکون اور سلامتی و اطمینان کا گہوارہ بننے کی اصلی صورت یہی ہے کہ پہلے کسی ایک خطے میں صحیح اسلامی معاشرہ اور حقیقی اسلامی ریاست قائم ہو جو ایمان و اسلام کی عالمگیر دعوت کی علمبردار بن کر کھڑی ہو‘ جس کے نتیجے میں ﴿وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴾[1] کی صورت ایک بڑے پیمانے پر دوبارہ پیدا ہو اور اس اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کی حدود پھیلتی چلی جائیں‘ تا آنکہ پورے عالمِ ارضی میں ﴿اِلَّا قِیۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴾[2] کا سماں بندھ جائے اور پورا عالمِ انسانیت اپنے رحیم و ودود رب کے دامنِ رحمت کے سائے تلے آ جائے۔

تاہم بحالت موجودہ یہ ایک بہت دور کی بات معلوم ہوتی ہے[3]۔ جب تک یہ آخری صورت نہ ہو‘ عبوری دور میں بھی اسلامی معاشرے اور مسلم ریاست کے پاس پورے عالمِ انسانی کے لیے دو مشترک اقدار کی بنیاد پر صلح و امن اور محبت و رأفت کا پیغام موجود ہے‘ اور اس سے قبل کہ میں آپ کے سامنے ان دو مشترک اساسات کو بیان کروں

(۱) سورۃ النصر: ’’اور تم نے دیکھا لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہوتے ہوئے فوج در فوج۔‘‘

(۲) سورۃ الواقعہ: ’’ہر جانب سلامتی ہی سلامتی کا غلغلہ!‘‘

(۳) ’’اگرچہ ایسا صرف ہماری تقویم کی رو سے ہے‘ اللہ تعالیٰ کی تقویم کے حساب سے تو معاملہ اس کے بالکل برعکس اور آیت قرآنی: ﴿اِنَّہُمۡ یَرَوۡنَہٗ بَعِیۡدًا ۙ﴿۶﴾ وَّ نَرٰىہُ قَرِیۡبًا ؕ﴿۷﴾﴾ (المعارج) کے عین مصداق ہے!

جن پر قیامِ امن کے لیے اسلام کی عبوری تجویز مبنی ہے‘ میں چاہتا ہوں کہ ایک نظر آپ عالمِ انسانی کی موجودہ صورتِ حال پر بھی ڈال لیں اور وقت کے اہم ترین تقاضے کو سمجھ لیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ سائنس کی حیرت انگیز ترقی اور ذرائع آمد و رفت اور نقل و حمل میں بے پناہ اضافے کی بنا پر پورا عالمِ انسانی ایک شہر کے مانند ہو کر رہ گیا ہے اور مختلف ممالک کی حیثیت اس کے محلوں سے زیادہ نہیں رہی‘ لیکن فاصلوں کی یہ ساری کمی انسان کے خارج ہی میں وقوع پذیر ہوئی ہے‘ دلوں کے بُعد میں قطعاً کوئی کمی واقع نہیں ہوئی‘ اور افرادِ نوعِ بشر اور اقوام و مللِ عالم کے مابین دوری جوں کی توں قائم ہے۔ اور یہ عجیب مخمصہ ہے جس میں عالمِ انسانی اس وقت گرفتار ہے کہ حالات کا شدید تقاضا تو یہ ہے کہ انسان باہم ایک دوسرے سے قریب ہوں اور دنیا میں جلد از جلد ایک عالمگیر معاشرہ اور ایک عالمی ریاست (world state) قائم ہو جائے‘ لیکن انسان کی تہی دستی اور تنگ دامانی کا عالم یہ ہے کہ ایسی کوئی قدرِ مشترک اسے نہیں مل رہی جو مشرق و مغرب کے فاصلے‘ گورے اور کالے کے امتیاز‘ اور نسلوں اور عقائد و نظریات کے فرق و تفاوت کی خلیجوں کو پاٹ سکے‘ یا کم از کم ایسا پل بن جائے جس پر سے گزر کر ابنائے نوعِ بشر ایک دوسرے سے بغل گیر ہو سکیں۔

اس بدلی ہوئی صورتِ حال ہی کا تقاضا تھا جس کے تحت مرحوم انجمن اقوامِ عالم (League of Nations) وجود میں آئی تھی‘ اور انسان کی یہی تہی دستی تھی جس کے باعث وہ ناکام ہوئی‘ لیکن چونکہ تقاضا نہ صرف یہ کہ اپنی جگہ موجود تھا بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ شدید صورت اختیار کر گیا تھا‘ لہٰذا پھر موجودہ تنظیم اقوام متحدہ (United Nations Organization) وجود میں آئی۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ انسان کی اسی تنگ دامانی کے باعث وہ بھی عملاً ناکام ہو چکی ہے‘ اور اگرچہ اس کا ظاہری ٹھاٹھ باٹھ موجود ہے‘ تاہم ہر شخص جانتا ہے کہ درحقیقت وہ ’’united‘‘ یعنی متحدہ کی بجائے ’’untied‘‘ یعنی منتشر اقوام کے زبانی جمع خرچ کا ایک ادارہ ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے اس اہم تقاضے کا جواب اسلام اور صرف اسلام کے پاس موجود ہے‘ جو دو ایسی مشترک قدروں کا علمبردار ہے جن کی لڑی میں پوری انسانیت کو پرویا جا سکتا ہے اور جن کی بنیاد پر مشرق بعید کے زرد رو‘ مغرب بعید کے سرخ و سپید اور افریقہ کے سیاہ فام انسانوں میں بھائی چارہ قائم ہو سکتا ہے اور باہمی اپنائیت اور یگانگت کے احساسات بیدار ہو سکتے ہیں۔ سورۃ الحجرات کی ایک ہی آیت میں یہ دونوں مشترک اقدار بھی بیان ہوئی ہیں اور انسانوں کے مابین فرق و امتیاز کی تمام غلط بنیادوں اور عزت و شرف کے باطل پیمانوں کی نفی کر کے فرق و تمیز اور عزت و شرف کی واحد بنیاد بھی واضح کر دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ﴾ (الحجرات:۱۳)

’’اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شعوب و قبائل میں تقسیم کر دیا تا کہ باہم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ (باقی رہا عزت کا سوال تو) تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔‘‘

گویا دنیا بھر کے تمام انسانوں کے مابین دو وحدتیں مشترک ہیں: ایک وحدتِ خالق اور دوسری وحدتِ آدم۔ روئے زمین پر جتنے انسان بھی بس رہے ہیں وہ سب خدا کی مخلوق‘ لہٰذا باہم مساوی‘ اور آدم و حوا کی اولاد‘ لہٰذا آپس میں بھائی بھائی ہیں: ((یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا)) ان کے مابین رنگ و نسل اور شکل اور زبانوں کا اختلاف صرف باہمی تعارف کے لیے ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی عزت و شرف کی بنیاد نہیں۔ عزت و شرف کا معیار تو ایک ہی ہے اور وہ ہے خدا کا خوف!—— غور فرمائیے یہ باتیں آج کے اس نام نہاد ترقی یافتہ دور میں بھی کیسی بعید اور خالص نظری و کتابی محسوس ہوتی ہیں‘ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ بات آپؐ کے بدترین دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے واقعتاً ان ہی اساسات پر ایک معاشرہ عملاً قائم فرما دیا اور ایک

باقاعدہ ریاست کی بنیاد رکھ دی۔ (۱)

سورۃ الحجرات کی محولہ بالا آیت میں جو تین مضامین بیان ہوئے ہیں‘ وہی عکسی ترتیب کے ساتھ سورۃ النساء کی پہلی آیت میں بیان ہوئے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ①﴾ (النسآء)

’’اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تمہیں ایک جان سے اور بنایا اسی سے اس کا جوڑا۔ اور پھیلا دیے انہی سے کثیر تعداد میں مرد اور عورتیں۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کا واسطہ تم ایک دوسرے کو دیتے رہتے ہو اور رحمی رشتوں سے۔ بے شک اللہ تم پر نگران و نگہبان ہے۔‘‘

یعنی وہی تقویٰ کی تعلیم اور وحدتِ الٰہ و رب اور وحدتِ آدم و حوا کو ملحوظ رکھنے کی تاکید‘ یہ دو بنیادیں ہر دو انسانوں کے مابین مشترک ہیں‘ چاہے وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے‘ کالے ہوں یا گورے‘ متمدّن ہوں یا غیر متمدّن‘ مرد ہوں یا عورت اور چاہے کسی نسل سے تعلق رکھتے ہوں‘ کوئی نظریہ و عقیدہ رکھتے ہوں‘ کسی شکل و صورت کے مالک ہوں اور کوئی سی زبان بولتے ہوں۔ آیت کے دوسرے حصے میں ان ہی دو اساسات کے تقاضوں کو کھول کر بیان کر دیا۔ پہلی اصل کی معرفت کا تقاضا تقویٰ ہے اور دوسری اصل کا تقاضا رحمی تعلق کا لحاظ ہے جس کے اعتبار سے آدم و حوا پر جا کر پوری نوعِ انسانی ایک ہو جاتی ہے۔ (۲)

---

(۱) مثلاً ایچ جی ویلز جس نے آنحضور ﷺ کی سیرت طیبہ پر نہایت رکیک حملے بھی کیے‘ لیکن ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کیا کہ اگرچہ انسانی اخوت و مساوات کے مواعظ حسنہ کی تو‘ بقول اس کے‘ مسیح ناصری (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کے یہاں بھی کمی نہیں‘ لیکن ان اساسات پر ایک انسانی معاشرے کا واقعی قیام صرف محمد (ﷺ) کا کارنامہ ہے!

(۲) قرآن حکیم کا یہ اعجاز پیش نظر رہے کہ محولہ بالا دونوں آیتوں میں خطاب یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے نہیں بلکہ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ سے ہے‘ اس لیے کہ ان میں وہ اساسات اجاگر کی جا رہی ہیں جو پوری نوعِ انسانی میں مشترک ہیں۔

برادرانِ عزیز! یہ ہے قرآن حکیم کی وہ تعلیم جس میں ایک فرد کے داخلی سکون و اطمینان سے لے کر پورے عالم انسانی میں پائیدار اور محکم امن کے قیام کے امکانات مضمر ہیں۔ اب ذرا ایک جانب اپنی خوش قسمتی کا تصور کیجیے کہ آپ اس عالم انسانی کا وہ واحد گروہ ہیں جس کے پاس ایسی عظیم الشان تعلیم موجود ہے اور دوسری جانب اس صورتِ حال کو دیکھئے اور سر دھنیے کہ عالمِ اسلام بھی آج فلسفوں اور نظریوں کے لیے دست سوال ان لوگوں کے سامنے دراز کر رہا ہے جو خود ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ حتیٰ کہ آج ''دنیا بھر کے مزدورو متحد ہو جاؤ!'' کا نعرہ بھی عالمِ اسلام میں اس لیے مقبول ہو رہا ہے کہ اس میں بین الاقوامیت کی ایک جھلک تو نظر آتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ آج اس دین کے نام لیوا' جس نے ہر قسم کی قوم پرستی (Nationalism) کا خاتمہ کیا اور جس کی تعلیم وتربیت کا منتہائے کمال یہ تھا کہ قریش کے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے والا اور پورے عالم اسلامی اور وقت کی عظیم ترین مملکت کا فرمانروا ایک حبشی النسل' سیاہ فام' آزاد شدہ غلام کو ''سیدنا'' کے خطاب سے یاد کیا کرتا تھا' اپنی مشکلات کا حل ایک نسلی قومیت میں تلاش کر رہے ہیں —— اللہ اکبر' خود فراموشی ہو تو ایسی! —— اور قلبِ ماہیت ہو تو اتنی!

حضرات! چاہے ہمیں اس کے تسلیم کرنے میں کتنی ہی ہچکچاہٹ محسوس ہو' واقعہ یہی ہے کہ قرآن کی تعلیمات سے سب سے زیادہ بعید خود ہم مسلمان ہیں' اور اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ قرآن کے فکر کو اُجاگر کرنے اور اس کے نورِ ہدایت کو پھیلانے کا کام بالکل ابتدا سے شروع کیا جائے' اور پہلے خود مسلمانوں کو قرآنی تعلیمات سے روشناس کیا جائے اور پھر پورے عالم انسانی میں قرآن کی رہنمائی کو واضح کیا جائے۔ اور چونکہ یہ بنیادی کام صرف ایسے نوجوان طلبہ کے ذریعے ہو سکتا ہے جو جدید علوم وفنون سے بھی آراستہ ہوں اور دینی جذبے اور مذہبی ذہن وفکر سے بھی مسلح ہوں اس لیے میں نے آپ کی اس مجلس میں شرکت کی دعوت کو غنیمت سمجھا اور یہی آج کی اس مجلس میں اظہارِ خیال پر خصوصی مسرت کا وہ دوسرا سبب ہے جس کا تذکرہ میں نے ابتدا میں کیا تھا

کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ موجودہ دور میں دین کے احیاء اور اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے لیے جس اساسی کام کی ضرورت ہے وہ درحقیقت کچھ ایسے نوجوان طلبہ ہی کے ذریعے انجام پا سکتا ہے جو جدید وقدیم علوم اور قرآن کے علم وحکمت کی تحصیل اور تعلیم وتعلّم کے لیے اپنی زندگیاں وقف کرنے کو تیار ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنی ان گزارشات کی بنیاد قرآن مجید کے معروضی مطالعے پر رکھی ہے اور اپنی جانب سے کچھ عرض کرنے کی بجائے قرآن حکیم ہی کی چند آیات کے مضمرات کو کھول دیا ہے' تاکہ آپ لوگوں پر قرآن کی عظمت آشکارا ہو اور اس کے علم وحکمت کی تحصیل کا جذبہ پیدا ہو سکے' اور اگر میری آج کی ان گزارشات کے نتیجے میں آپ میں سے کسی ایک نوجوان طالب علم کے دل میں بھی قرآن کے تعلیم وتعلّم کے لیے زندگی وقف کرنے کا ارادہ پیدا ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت سپھل ہوئی۔

اقول قولی ھٰذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین○○

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کی مقبولِ عام تالیف
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
اشاعت خاص: 45 روپے اشاعت عام: 25 روپے

دہشت گردی' تشدّد اور انتہا پسندی

(دعوتِ توحید کے ردّعمل کے تناظر میں)

حافظ محمد مشتاق ربانی

دہشت گردی اور انتہا پسندی کے الفاظ سنتے ہی یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ یہ آج کے دور کے مسائل ہیں اور پہلے ادوار میں یہ برائیاں نہ تھیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے' بلکہ یہ دہشت گردی' تشدد اور انتہا پسندی آغاز ہی سے ہے اور ہر زمانے میں ان کی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ یہ برائیاں اُس وقت زیادہ اُبھر کر سامنے آتی ہیں جب حق و باطل کی کشمکش میں تیزی آتی ہے۔ کفّار سمجھتے ہیں کہ مسلمان دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہیں جبکہ مسلمان سمجھتے ہیں کہ کفّار ان سے متّصف ہیں۔ جس پر بھی اِن برائیوں کا لیبل لگتا ہے وہ صاف انکار کر دیتا ہے۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ معاملات میں سختی کرنا اور معاشرے میں دہشت پھیلانا کفار کی خصلتیں ہیں' جبکہ سچے مسلمان دہشت گرد نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس ضمن میں اگر ہم قرآن حکیم میں مذکور قصص اور انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات و واقعات پڑھیں تو ہمیں کفار کی باتوں اور رویوں سے درشتی اور تشدد کی بو آتی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ﴾ (ابراھیم:۱۳)

''اور جو کافر تھے انہوں نے اپنے پیغمبروں سے کہا: (یا تو) ہم تم کو اپنے ملک سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں داخل ہو جاؤ۔''

ہر نبی کو اپنی قوم کی طرف سے یہی پیغام ملتا رہا ہے —— حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اپنی اطاعت کی دعوت دی تو ان کی قوم نے جواب دیا کہ آپ پر قوم کے کم درجہ کے لوگ ایمان رکھتے ہیں' اس لیے ہم ایمان لانے سے قاصر ہیں۔ ساتھ ہی وہ لوگ آپ کو دھمکی دیتے ہیں: ﴿قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾﴾

(الشُّعراء) ''انہوں نے کہا: اے نوح اگر تم باز نہ آؤ گے تو سنگسار کر دیے جاؤ گے''۔ سنگساری اور رجم کسی کو قتل کرنے کی انتہائی خطرناک صورت ہے۔

اسی سنگساری کی دھمکی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے والد کی جانب سے ملتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے ساتھ نصح و خیر خواہی کا معاملہ کرتے ہوئے انہیں اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں' لیکن وہ آگے سے انتہائی درشت رویہ کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو ''یَاأَبَتِ'' (اے میرے ابا جان!) کہہ کر مخاطب ہوتے ہیں جبکہ جواب میں ان کا باپ ''یَاابْنِیْ یَا بُنَیَّ'' کی بجائے اپنے بیٹے کو صرف ''یا ابراھیم'' نام لے کر مخاطب ہوتا ہے۔ بیٹا باپ کے لیے سلامتی اور بخشش کی دُعا کرتا ہے: ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ﴾ (مریم:۴۷) ''آپ پر سلامتی ہو' میں آپ کے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا'' جبکہ باپ انہیں رجم کرنے کی دھمکی دیتا ہے اور اپنے سے دور ہونے کے لیے کہتا ہے: ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾﴾ (مریم) ''اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا اور مجھ سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جاؤ''۔ باپ بیٹے کو اپنے سے دُور کرتا ہے' حالانکہ بیٹا تو باپ کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور انہیں ناپ تول میں کمی کرنے سے روکا۔ اس پر قوم ان کے خلاف ہو گئی اور ایک مرحلے میں ان کی قوم کہنے لگی: ﴿وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۖ﴾ (ھود:۹۱) ''اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے''۔ یعنی آپ کی قوم ہمارے دین کی پیروکار ہے' اس لیے وہ ہمیں عزیز ہے اور ہم ان کی وجہ سے آپ کو کچھ نہیں کہتے ہیں' ورنہ ﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾﴾ (ھود) ''اور آپ کی ہمارے ہاں کوئی عزت نہیں / اور تم ہم پر کچھ بھاری نہیں ہو''۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے استفہامِ انکاری کے انداز میں پوچھا: ﴿اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ (ھود:۹۲) ''کیا میرے خاندان کی عزت تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ ہے؟ / کیا میرا خاندان تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے؟'' اس پر وہ لاجواب ہو گئے۔

اصحابِ کہف نے بھی یہی خدشہ محسوس کیا۔ جب انہوں نے اپنے میں سے بعض کو ضرورت کی چیزیں لینے کے لیے بھیجا تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جاتے اور آتے ہوئے احتیاط برتنا' کہیں بادشاہ کے اہلکار تمہیں پہچان نہ لیں۔ اگر کہیں انہوں نے تمہیں پہچان

لیا تو وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پھر وہ ہمیں اپنے شرکیہ مذہب قبول کرنے کے لیے مجبور کریں: ﴿اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ﴾ (الکھف: ۲۰) ''اگر انہوں نے تم پر دسترس پالی تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے یا پھر اپنے مذہب میں داخل کرلیں گے۔''

زبردستی اپنے مذہب میں داخل کرنا کفار کا شیوہ ہے' جبکہ اسلام ہرگز کسی کو جبر کے ساتھ مسلمان کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ﴾ (البقرۃ:۲۵۶) ''اسلام میں زبردستی نہیں ہے''۔ یہ انتہا پسندی کا ایک پہلو ہے کہ کسی کو اپنے مذہب میں داخل ہونے کے لیے مجبور کیا جائے۔ مذہب کے امتیاز میں انسان کو مکمل آزادی ہونی چاہیے۔ چنانچہ دین اسلام قبول کرنے میں مکمل آزادی ہے' لیکن چھوڑنے میں آزادی نہیں ہے۔

کفار کا ایک طرزِ عمل یہ چلا آ رہا ہے کہ وہ اہل ایمان کو اپنے ایمان سے انحراف نہ کرنے کی پاداش میں ان کے وطن سے نکال دیتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا: ﴿لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا﴾ (الاعراف: ۸۸) ''اے شعیب (ہمارے پاس یہ اختیار موجود ہے کہ) ہم تمہیں اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں' اپنی بستی سے نکال دیں گے''۔ اس میں وہ اپنا استعلاء ظاہر کر رہے ہیں کہ ہمارے پاس اتنی طاقت اور اختیارات موجود ہیں کہ ہم تمہیں اس جگہ سے باہر نکال دیں۔ ایسے لوگ اپنی طاقت کے نشے میں گم ہوتے ہیں۔ انجام کار کے طور پر ہمیشہ نکالنے والے ہی مغلوب ہوتے رہے ہیں۔ یہ لوگ صرف اہلِ ایمان کو اپنی بستیوں سے نکالنے پر ہی راضی نہیں ہوتے بلکہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بے دردی سے قتل کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ ایسے لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے تئیں قتل کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رفع آسمانی کا اعزاز بخشا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ایسے ظالموں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں ان کی قوم نے سازش تیار کی کہ انہیں قتل کر دیا جائے: ﴿قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ (النمل) ''کہنے لگے اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم رات کو اس پر اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے' پھر اس کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم تو اس کے گھر والوں کے موقع ہلاکت پر گئے ہی نہیں اور ہم سچ

کہتے ہیں''۔ حضرت صالح علیہ السلام کا کیا جرم تھا جو ان کی قوم ان کے قتل کی ٹھوس منصوبہ بندی کر رہی تھی۔ ان کا ایک ہی جرم دکھائی دیتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کا پیغام پہنچایا۔ اس کے علاوہ تو ان کا کوئی جرم نہیں تھا۔ درحقیقت یہ جرم بھی نہیں تھا بلکہ اپنی قوم کی خیر خواہی تھی جو ان کی قوم کو پسند نہ تھی۔ فرعون نے بھی کہا تھا: ﴿ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى﴾ (المؤمن:۲۶) ''مجھے چھوڑو' میں موسیٰ کو قتل کروں''۔ ایک دوسرے موقع پر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قید کرنے کی دھمکی دی: ﴿قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾﴾ (الشعراء) ''(فرعون نے) کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کر دوں گا۔''

بستیوں سے نکالے جانا' محبوس ہونا' قتل ہونے کا امکان ہونا پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ہی نہیں ہوتا رہا' بلکہ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ آپؐ شعب ابی طالب میں محصور ہوئے' طائف میں آپؐ پر سنگ باری ہوئی' آپؐ کے قتل کی سازشیں ہوئیں' آپؐ کو مکہ سے نکالا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ﴾ (الانفال: ۳۰) ''اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) جب کافر لوگ آپ کے بارے میں چال چل رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں' یا جان سے مار دیں یا (وطن سے) نکال دیں''۔ یہ اللہ کی خاص عنایت تھی کہ اس نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل ہونے سے محفوظ رکھا۔ کفار نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے میں کوئی کسر روا نہ رکھی تھی۔

آج کے دور میں یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے کہ مسلمان دہشت گرد ہیں' تشدّد پسند اور انتہا پسند ہیں۔ یہ تمام منفی سرگرمیاں اصل میں کفار کی پہچان چلی آ رہی ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ میں سے اس طرح کی چیزیں ڈھونڈ کر نمونے کے طور پر پیش بھی کی جائیں تو ایک صحیح مسلمان ان کی کبھی حمایت نہیں کرے گا' ان کی ہمیشہ مذمّت کی جائے گی۔ ماضی میں اگر بعض مسلمان حکومتیں اس طرح کی کارروائیاں کرتی رہی ہیں تو ہر دور میں ان کی مذمت کی گئی ہے اور ان کارروائیوں کو ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دین اسلام ایسے منفی ہتھکنڈوں سے روکتا ہے۔ اسلام نے تو ایسی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے جہاد کا راستہ بتایا ہے کہ کفار کی جانب سے اگر انتہا پسندی' دہشت گردی اور تشدد کی صورتِ حال پیدا ہو تو اس کے خاتمہ کے لیے جہاد و قتال کے راستے کو اختیار کیا جائے اور باطل قوتوں کی سرکوبی کی جائے۔

❁❁❁

حجّ بیتُ اللّٰہ

فرضیّت' اہمیّت' فضیلت اور مناسک

حافظہ منزّہ رشید

قرآن کریم وفرقان حمید میں اللہ ربّ العزت حج بیت اللہ کی فرضیت' اہمیت اور فضیلت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ﴾ (آل عمران:۹۷)

''یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا (اللہ کی عبادت کے لیے) وہی ہے جو مکہ میں ہے' برکت والا ہے اور سارے جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت ہے۔ اس میں اللہ کی کھلی نشانیاں ہیں' جیسے مقامِ ابراہیم۔ اور جو اس میں داخل ہو جاتا ہے اس کو امن مل جاتا ہے۔''

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ؕ وَعَھِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَھْلَہٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ کَفَرَ فَاُمَتِّعُہٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّہٗٓ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ ؕ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۱۲۹﴾ (البقرۃ)

''اور جبکہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرکز و مرجع اور امن کی جگہ بنایا۔ اور (ہم نے حکم دیا کہ) ابراہیمؑ کے مقام عبادت کو جائے نماز بنا لو۔ اور ابراہیم اور اسماعیل کو ہدایت کی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والے اور ٹھہرنے والے اور رکوع اور سجدہ کرنے والے لوگوں کے لیے پاک صاف رکھو۔ اور جبکہ ابراہیم نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! اس شہر کو پرامن شہر بنا دے اور یہاں کے باشندوں کو پھلوں کا رزق بہم پہنچا' جو ان میں سے اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے والا ہو۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: اور (تمہاری اولاد میں سے) جو کفر کرے گا تو اس کو بھی دنیا کی چند روزہ زندگی کا ساز و سامان تو دوں گا' پھر اسے کشاں کشاں لے آؤں گا جہنم کے عذاب کی طرف' اور وہ بہت بری جگہ ہے لوٹنے کی۔ اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (تو دعا کرتے جاتے تھے) اے ہمارے پروردگار! ہماری اس کوشش کو قبول فرما' تو سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اور اے ہمارے پروردگار! تو ہم دونوں کو اپنا مسلم (اطاعت گزار) بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری فرماں بردار ہو' اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہم پر عنایت کی نظر رکھ' یقیناً تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اور اے ہمارے پروردگار! تو ان لوگوں میں انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول بھیجیو جو انہیں تیری آیات سنائے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق درست کرے۔ یقیناً تو بڑی قوت والا اور بڑا حکیم ہے۔''

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰھِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا وَّطَھِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّیَشْھَدُوْا مَنَافِعَ لَھُمْ وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِّنْۢ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ ۚ فَکُلُوْا مِنْھَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ﴿۲۸﴾ (الحج)

''اور جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر کی جگہ مقرر کی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔ اور لوگوں میں حج کی عام منادی کر دو کہ تمہارے پاس آئیں' خواہ پیدل آئیں' یا ہر دور دراز مقام سے دبلی اونٹنیوں پر آئیں' تاکہ یہاں آ کر دیکھیں کہ ان کے لیے کیسے کیسے (دینی اور دُنیوی) منافع ہیں اور

ان چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر جو اللہ نے ان کو دیے ہیں' اللہ کا نام لیں (یعنی قربانی کریں) پھر اس میں سے خود بھی کھائیں اور تنگ دست و محتاج لوگوں کو بھی کھلائیں۔''

حج دین اسلام کا پانچواں اہم رکن ہے' جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ' وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ' وَاِیْتَاءِ الزَّكَاةِ' وَحَجِّ الْبَیْتِ' وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) (۱)

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔''

حج کے لغوی و شرعی معنی

''حج'' کے لغوی معنی ہیں کسی عظیم الشان چیز کا قصد کرنا۔ شرعی اصطلاح میں خاص دنوں میں خاص افعال ادا کرنے کے لیے مخصوص مقامات کی زیارت کرنے کو ''حج'' کہتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر حج ان خاص افعال کا نام ہے جو مقررہ دنوں اور مقررہ اوقات میں حج کی نیت سے احرام باندھنے کے بعد ادا کیے جاتے ہیں۔ ان افعال میں بیت اللہ کا طوافِ قدوم' قیامِ منیٰ' وقوفِ عرفات' وقوفِ مزدلفہ' رمی جمرات' قربانی' حلق/قصر' طوافِ زیارت' سعی اور طوافِ وداع شامل ہیں۔

حج کی فرضیت و اہمیت

قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹۷﴾ (آل عمران)

''اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔ اور جس نے کفر کیا تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں غور و تدبر کریں تو پتا چلتا ہے کہ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت فرمانِ نبویؐ سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَیْتِ اللّٰهِ وَلَمْ یَحُجَّ فَلَا عَلَیْهِ اَنْ

یَّمُوْتَ یَهُوْدِیًّا اَوْ نَصْرَانِیًّا وَذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ فِیْ كِتَابِهٖ ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا﴾)) (۲)

''جو شخص زادِ راہ اور سواری کا مالک ہے جو اس کو بیت اللہ تک پہنچا دے اور وہ حج نہ کرے تو پھر کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ یہودی مرے یا عیسائی۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ''اللہ کے واسطے ان لوگوں پر حج فرض ہے جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں۔''

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَّمْ یَمْنَعْهُ عَنِ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ یَحُجَّ فَلْیَمُتْ اِنْ شَاءَ یَهُوْدِیًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِیًّا)) (۳)

''جس شخص کو نہ کسی صریح حاجت نے حج سے روکا ہو' نہ کسی ظالم سلطان نے اور نہ کسی روکنے والے مرض نے اور پھر بھی اس نے حج نہ کیا ہو اور اسی حالت میں اسے موت آ جائے تو (اللہ کو کوئی پروا نہیں) خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی بن کر۔''

اسی کی تشریح میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

''جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے میرا جی چاہتا ہے کہ ان پر جزیہ لگا دوں' وہ مسلمان نہیں ہیں' وہ مسلمان نہیں ہیں۔''

ماقبل بیان کردہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حج کا فریضہ ایسا نہیں ہے کہ اگر چاہیں تو ادا کر لیں اور اگر چاہیں تو چھوڑ دیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر عاقل' بالغ' آزاد مسلمان جو حج کے دنوں میں قدرت' زادِ راہ اور سواری رکھتا ہو' اس پر زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے۔ اگر کوئی عورت حج کرنے جائے تو اس کے شوہر یا کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے' بغیر محرم کے کسی خاتون کا حج پر جانا درست نہیں۔ احادیث نبویہ میں اس کے بارے میں واضح ارشادات موجود ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُسَافِرَ مَسِیْرَةَ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ لَیْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ)) (۴)

''جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے

محرم کے بغیر ایک دن رات کی مسافت کا سفر کرے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ اِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ)) فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا وَخَرَجَتِ امْرَاَتِيْ حَاجَّةً قَالَ: ((اذْهَبْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ)) (۵)

''کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے مگر اس کے ساتھ محرم ہو۔ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! فلاں فلاں غزوہ میں شرکت کے لیے میرا نام لکھ دیا گیا ہے اور میری بیوی حج کے لیے نکلی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''جا اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کر!''

حج بیت اللہ کی فضیلت' احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

((اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ)) قِيْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ((اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ((حَجٌّ مَبْرُوْرٌ)) (۶)

''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا''۔ کہا گیا: پھر کون سا؟ فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد''۔ کہا گیا: پھر کون سا؟ فرمایا: ''مقبول حج۔''

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ)) (۷)

''جو شخص اللہ کے لیے حج کرے اور اس میں بے حیائی کی بات نہ بولے اور گناہ کا کام نہ کرے تو وہ لوٹ کر آتا ہے (اور گناہوں سے اس طرح پاک ہوتا ہے) گویا اس کی ماں نے اس کو آج جنا ہے۔''

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ)) (۸)

''ایک عمرہ دوسرے عمرے تک درمیانی گناہوں کا کفّارہ ہے اور حج مبرور کا بدلہ تو بس جنّت ہی ہے۔''

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةُ)) (۹)

''پے در پے حج اور عمرے کیا کرو' اس لیے کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے' سونے اور چاندی کی میل دور کر دیتی ہے۔ اور حج مقبول کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔''

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْحُجَّاجُ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ)) (۱۰)

''حج اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں' اگر وہ اس سے دعا کریں تو ان کی دعا قبول کرتا ہے اور اگر اس سے بخشش طلب کریں تو اُن کو بخش دیتا ہے۔''

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

((وَفْدُ اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ: اَلْغَازِيْ وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ)) (۱۱)

''اللہ کے مہمان تین ہیں: جہاد کرنے والا' حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا۔''

(۷) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا لَقِيْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَ بَيْتَهٗ فَاِنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَهٗ)) (۱۲)

''جس وقت تو کسی حاجی سے ملے تو اس کو سلام کہہ اور اس سے مصافحہ کر اور اس سے درخواست کر کہ وہ تیرے لیے بخشش کی دعا کرے اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے پہلے' اس لیے کہ اس کو بخش دیا گیا ہے۔''

(۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِيًا ثُمَّ مَاتَ فِيْ طَرِيْقِهٖ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ الْغَازِيْ وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ)) (۱۳)

''جو شخص حج کرنے یا عمرہ کرنے یا جہاد کرنے کے لیے نکلا پھر وہ راستے میں فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے حج کرنے والے' عمرہ کرنے والے اور جہاد کرنے والے کا ثواب لکھ دیتے ہیں۔''

دورانِ حج کس عبادت کا اہتمام کریں

بیت اللہ کی زیارت کو جانے والے تمام لوگ یقیناً اجر وثواب اور رضائے الٰہی کے حصول کے جذبے سے سرشار ہو کر اس مبارک اور بابرکت سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔ یہاں اگر طواف کیا جائے تو یقیناً یہ بہت بڑی اور منفرد عبادت ہے جو سوائے خانہ کعبہ کے کہیں اور نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح نماز پڑھنا افضل ترین عبادت ہے اور یہاں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ اسی طرح صدقہ وخیرات بھی بہت افضل عمل ہے۔ تلاوت قرآن کی اہمیت وفضیلت میں کسے شک ہوسکتا ہے؟ جب قرآن پڑھنے والا پڑھتا ہے: ﴿فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ﴾ تو بیت اللہ نظروں کے سامنے ہوتا ہے اور ﴿وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾ پڑھتے ہوئے بیت اللہ کے در و دیوار اپنی طرف توجہ مبذول کرا لیتے ہیں۔ کچھ چیزوں کا تعلق اپنے اپنے ذوق اور ہمت وطاقت سے ہوتا ہے۔ حج وعمرہ کے دوران سب سے زیادہ اور ہر وقت کی جانے والی عبادت دعا ہے۔ ہمارا پروردگار بے شک ہر وقت دعاؤں کا سننے والا ہے۔ وہ فضاؤں میں، صحراؤں میں، پہاڑوں میں اور دریاؤں میں بھی سننے والا ہے۔ وہ اطاعت شعاروں کی بھی سنتا ہے اور گناہگاروں کی بھی۔ وہ فقیروں، غریبوں، گونگوں، بہروں، اندھوں کی بھی سنتا ہے۔ وہ انسانوں کی، حیوانوں کی اور حشرات کی بھی سنتا ہے۔

افراد اور کیفیات کے علاوہ چند مقامات کو بھی قبولیت کے اعتبار سے ترجیح دی گئی ہے۔ مثلاً حرم پاک میں قبولیت دعا کے چند مقامات یہ ہیں: بیت اللہ پر پہلی نظر پڑتے وقت، حجرِ اسود پر، ملتزم سے چمٹ کر، خانہ کعبہ کی چوکھٹ پر، رکن یمانی پر، مقام ابراہیم پر، حطیم میں، میزابِ رحمت کے نیچے، زمزم پیتے وقت، صفا اور مروہ پر، منیٰ کی وادی میں، مزدلفہ کے وقوف کے وقت، وقوفِ عرفات کے دوران جبلِ رحمت پر یا اس کے پاس۔

حج کی اقسام

حج کی تین قسمیں ہیں:

(۱) حج اِفراد (۲) حج قِران (۳) حج تمتّع

حج اِفراد: اِفراد کے لغوی معنی اکیلا یا تنہا کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں صرف حج کی نیت سے احرام باندھ کر حج کے افعال ومناسک ادا کرنا اور عمرہ ساتھ نہ ملانا، حج اِفراد کہلاتا ہے۔ حج اِفراد

کرنے والے کو مفرد کہتے ہیں۔ مفرد پر قربانی واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے۔

حج قران: قران کے لغوی معنی دو چیزوں کو باہم ملانے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں عمرہ اور حج دونوں کے لیے ایک ہی مرتبہ میقات یا اس سے پہلے احرام باندھنا اور ایک ہی احرام کے ساتھ عمرہ اور حج ادا کرنا، حج قران کہلاتا ہے۔

حج تمتّع: تمتّع کے لغوی معنی ہیں نفع اٹھانا۔ شرعاً حج تمتع یہ ہے کہ میقات سے عازمِ حج پہلے عمرہ کی نیّت سے احرام باندھے اور عمرہ ادا کر کے احرام کھول دے۔ اس کے بعد ۸ ذوالحجہ کو حج کی نیت سے دوبارہ احرام باندھے اور مناسک حج ادا کرے۔ اس حج کو تمتع اس لیے کہا جاتا ہے کہ تمتع کرنے والا عمرہ اور حج تک کے درمیانی زمانے میں اُن چیزوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جو احرام کی وجہ سے منع ہیں۔

مندرجہ بالا تینوں اقسام میں سے حج قران سب سے افضل ہے۔

حج کے احکام، فرائض واجبات اور سُنن

حج کے دوران کچھ کام فرض ہیں جن کے بغیر حج ہوتا ہی نہیں، کچھ کام واجب ہیں جن میں سے کسی ایک کے رہ جانے سے عموماً دم (قربانی) واجب ہو جاتا ہے، اور کچھ کام سنت ہیں جن کے رہ جانے سے ثواب میں کمی آ جاتی ہے۔ کچھ کام منع ہیں جن کے کر لینے سے جرمانہ واجب ہوتا ہے۔ بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن کے کرنے سے حج فاسد ہو جاتا ہے اور بعض سے صرف ثواب میں کمی آتی ہے۔

حج کے فرائض

حج کے فرائض درج ذیل ہیں۔ یاد رہے کہ ان میں سے کوئی بھی رہ جائے تو حج صحیح نہیں ہوگا:

(۱) نیت حج، یعنی دل میں حج کا ارادہ کرنا۔

(۲) حج کی نیت سے احرام باندھنا اور تلبیہ پڑھنا۔

(۳) وقوفِ عرفات، اس کا وقت ۹ ذی الحجہ زوالِ آفتاب سے لے کر ۱۰ ذی الحجہ کی طلوعِ فجر تک ہے۔ یعنی میدانِ عرفات میں ۹ ذوالحجہ دوپہر کے بعد کچھ وقت ٹھہرنا۔ وقوف عرفہ اگر دن کو نہ کر سکیں تو آئندہ رات کو صبح صادق سے پہلے تک یہ فرض ادا کیا جا سکتا ہے۔

(۴) طوافِ زیارت۔ اس کے لغوی معنی ہیں ملاقات کا طواف۔ اس سے مراد حج کا مرکزی طواف ہے۔ یہ طواف عید کے تین دن ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کے دوران کسی وقت بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ طواف فرض ہے۔

ان افعال کا مقررہ دنوں اور مقررہ اوقات میں ترتیب وار ادا کرنا ضروری ہے۔ ان فرائض میں سے ایک کے بھی رہ جانے سے حج ادا نہ ہوگا۔

حج کے واجبات

(۱) وقوفِ مزدلفہ، یعنی ۱۰ ذوالحجہ کو مزدلفہ میں نماز فجر کے بعد تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرنا، ذکر و اذکار کرنا اور دعائیں مانگنا۔

(۲) سعی کرنا، سعی صفا سے شروع کرنا اور اگر عذر نہ ہو تو سعی پیدل کرنا۔

(۳) دن کو وقوفِ عرفات کرنے والے کے لیے غروبِ آفتاب تک عرفات میں ٹھہرنا۔

(۴) سعی کا طواف کے کم از کم چار چکروں کے بعد ہونا۔

(۵) مغرب و عشاء کی نماز عشاء کے وقت میں مزدلفہ میں ادا کرنا۔

(۶) ۱۰ ذوالحجہ کو پہلے جمرہ عقبہ (بڑے شیطان) کو سات کنکریاں مارنا اور ۱۱، ۱۲ ذوالحجہ کے دن تینوں جمرات کو کنکریاں مارنا۔

(۷) حلق یعنی سر کے بال منڈوانا یا قصر یعنی ترشوانا۔

(۸) عمرہ و حج دونوں کی سعادت حاصل کرنے والے کے لیے قربانی کرنا جو کہ ایامِ قربانی میں حدودِ حرم کے اندر ہو۔ نیز رمی کے بعد اور حلق و تقصیر سے پہلے ہو۔

(۹) طوافِ زیارت کے بعد سعی کرنا۔

(۱۰) دائیں طرف سے طواف کرنا۔

(۱۱) طواف باوضو کرنا۔

(۱۲) طواف کے بعد دو رکعت پڑھنا۔

(۱۳) رمی، قربانی، حلق یا تقصیر اور طوافِ زیارت میں ترتیب رکھنا۔

(۱۴) طوافِ صدر (طوافِ وداع) ان کے لیے واجب ہے جو میقات سے باہر سے آئے ہوں۔

(۱۵) حج کے بعد مکہ مکرمہ سے روانگی کے وقت طوافِ وداع کرنا (حائضہ عورت پر طوافِ وداع واجب نہیں)

ان واجبات میں سے اگر کوئی واجب غلطی سے چھوٹ جائے تو اس صورت میں حج ادا ہو جائے گا، لیکن واجب چھوٹ جانے کا کفارہ دینا ہوگا۔ یعنی ایک بکری یا دنبہ ذبح کرنا ہوگا، جسے دم دینا کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

حج کی سنتیں

حج اِفراد یا حج قران کرنے والے آفاقی کے لیے حج کی سنتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) طوافِ قدوم کرنا۔

(۲) ہر وہ طواف جس کے بعد سعی کرنی ہو اس میں رمل (یعنی طواف کے پہلے تین پھیروں میں اکڑ کر دونوں کندھوں کو ہلاتے ہوئے قریب قریب قدم رکھ کر ذرا تیز چلنا) اور اضطباع (احرام کی اوپر والی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا) کرنا۔

(۳) ۸ ذوالحجہ کی ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور ۹ ذوالحجہ کی فجر کی نماز منیٰ میں ادا کرنا۔

(۴) ۹ ذوالحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات جانا۔

(۵) عرفات سے غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کے لیے روانہ ہونا۔

(۶) عرفات سے واپسی پر مزدلفہ میں رات کے وقت ٹھہرنا (یہ سنّت مؤکّدہ ہے)۔

(۷) منیٰ میں قیام کے دوران راتوں کو منیٰ میں رہنا۔

(۸) سعی میں دونوں سبز لائٹوں کے درمیان مرد کے لیے دوڑنا۔

(۹) طواف کا حجرِ اسود سے شروع کرنا۔

حجِ تمتّع کے اَفعال

زیادہ تر حجاج کرام حجِ تمتع ادا کرتے ہیں۔ حجِ تمتع کے تمام ضروری افعال مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) میقات سے یا اس سے پہلے سے غسل یا وضو کے بعد احرام باندھنا۔ نیت عمرہ کرنا اور تلبیہ پڑھنا۔

(۲) عمرہ کی ادائیگی (طواف اور سعی) کے بعد حلق / قصر کرنا۔

(۳) احرام کھولنا، نہا کر سلا ہوا لباس پہننا۔

(۴) ۸ ذوالحجہ کو مکہ معظّمہ سے غسل یا وضو کے بعد حج کا احرام باندھنا، نیت حج کرنا، تلبیہ پڑھنا

اور منیٰ روانہ ہونا (اس سے پہلے بھی احرام باندھ کر منیٰ جانے میں کوئی حرج نہیں)

(۵) ۸ ذوالحجہ کو منیٰ میں قیام کرنا اور ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور ۹ ذوالحجہ کی فجر کی نماز منیٰ میں پڑھنا۔

(۶) ۹ ذوالحجہ کو عرفات میں ظہر، عصر پڑھنا اور اس کے بعد وقوفِ عرفات کرنا۔ مغرب کی نماز عرفات میں نہ پڑھنا۔

(۷) ۹ اور ۱۰ ذوالحجہ کی درمیانی رات کو ہی مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھنا۔ رات گزارنا، کنکریاں چننا اور فجر کی نماز کے بعد وقوفِ مزدلفہ کرنا۔

(۸) ۱۰ ذوالحجہ کو منیٰ پہنچنا، تلبیہ پڑھنا بند کرنا، اور جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کو سات کنکریاں مارنا۔ دعا نہ کرنا (مانگنا)

(۹) دمِ شکر (قربانی) کرنا۔

(۱۰) سر منڈوانا یا بال کتروانا۔

(۱۱) احرام کھولنا اور نہا کر سلے ہوئے کپڑے پہننا، یعنی احرام کی پابندی ختم کرنا۔

(۱۲) طوافِ زیارت کرنا۔

(۱۳) حج کی سعی کرنا اور واپس منیٰ پہنچنا۔

(۱۴) ۱۱، ۱۲ ذوالحجہ کو زوال کے بعد ہجوم کم ہو جائے تو پہلے چھوٹے، پھر درمیانے اور آخر میں بڑے شیطان کو ایک ایک کر کے سات سات کنکریاں مارنا اور ہر کنکری مارتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا۔

(۱۵) ۱۲ ذوالحجہ غروب آفتاب سے پہلے منیٰ سے مکہ مکرمہ روانہ ہونا۔

(۱۶) مکہ معظمہ سے وطن روانہ ہوتے وقت طواف وداع کرنا۔

جنایات یعنی ممنوعات

جنایات کے لغوی معنی خطا اور قصور کے ہیں۔ جو چیزیں احرام کی حالت میں ممنوع ہو جاتی ہیں انہیں ''جنایات'' یعنی جرم کہتے ہیں، ان کے کرنے سے ''دم'' یعنی جرمانہ لازم آتا ہے۔

جنایات کون سی ہیں؟

(۱) خوشبو استعمال کرنا: اگر کسی محرم نے تھوڑی خوشبو کو جسم کے کچھ حصے پر یا کسی پورے عضو پر لگایا تو اس پر قربانی لازم ہوگی، اور اگر اس نے تھوڑی سی خوشبو کو پورے عضو سے کم پر لگایا تو

صدقہ واجب ہوگا۔

(۲) جسم سے بال دور کرنا: سر اور بغل کے بال مونڈنے یا کاٹنے سے دم واجب ہوگا، لیکن سینے، پنڈلی وغیرہ سے بال کاٹنے یا مونڈنے سے صدقہ واجب ہوگا۔ دو تین جوئیں یا ٹڈی مارنے پر ایک مٹھی صدقہ کرنا ہوگا، زیادہ مارنے پر پورا صدقہ (صدقۂ فطر کی مقدار) دینا ہوگا۔

(۳) ناخن کاٹنا: ایک پاؤں یا ایک ہاتھ یا دونوں پاؤں یا دونوں ہاتھ یا چاروں ہاتھ پاؤں کے ناخن ایک مجلس میں کاٹے تو دم لازم ہوگا۔ کم کاٹنے پر صدقہ واجب ہوگا۔

(۴) سر یا چہرہ ڈھانپنا: اگر مرد نے سر یا چہرہ اور عورت نے پورا چہرہ ایک دن یا پوری رات ڈھانپا تو دم دینا ہوگا، اگر تھوڑی دیر کے لیے ڈھانپا تو صدقہ دینا ہوگا۔ عورت کے لیے چونکہ چہرے کا پردہ لازم ہے اس لیے وہ چھجے والی ٹوپی یا نقاب استعمال کرے گی تاکہ کپڑا چہرے کو نہ لگے۔

(۵) سلے ہوئے کپڑے پہننا: مرد سلے ہوئے کپڑے جیسے شلوار قمیض وغیرہ پورا دن یا پوری ایک رات پہنے تو اس پر دم واجب ہوگا اور اس سے کم پہنے تو صدقہ واجب ہوگا۔

(۶) دستانے یا موزے پہننا: مردوں کو دستانے یا موزے پہننا منع ہیں اور ایسی چپل بھی ممنوع ہے جو پیر کی پشت کے بیچ میں ابھری ہوئی ہڈی کو ڈھانکے۔

(۷) جنسی تعلق: وقوفِ عرفہ سے پہلے جنسی تعلق سے حج فاسد ہو جاتا ہے۔ میاں بیوی دونوں پر ایک ایک دم الگ الگ واجب ہوگا اور اگلے سال حج کی قضا بھی واجب ہوگی۔ اگر یہ فعل عرفہ کے بعد بال کٹوانے سے پہلے کیا تو بدلہ (سالم اونٹ یا گائے کی قربانی) دینا ہوگی اور اگر یہ فعل بال کٹوانے کے بعد اور طوافِ زیارت سے پہلے کیا تو دم دینا ہوگا۔

(۸) حرم کی جنایات: حرم میں گھاس اور درخت کاٹنا اور حرم کے جانور کا شکار کرنا یا انہیں ایذا پہنچانا محرم اور غیر محرم دونوں کے لیے منع ہے۔

دم کیا ہے؟

چھوٹا جانور یا بڑے جانور کا ساتواں حصہ۔ حج کا کوئی واجب چھوٹنے یا کوئی ممنوع کام کر لینے سے جرمانے کے طور پر لازم ہونے والی قربانی ''دم'' کہلاتی ہے۔ یہ قربانی حدودِ حرم میں دینا لازم ہے اور اس سے حاجی یا کسی مالدار کا کھانا جائز نہیں۔ اگر جرم ہلکا ہو تو ''دم'' کی بجائے صدقہ لازم ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے ضرورت کے وقت علماء کرام سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

میقات کیا ہے؟

میقات ان مقامات کو کہتے ہیں جہاں دنیا کے کسی کونے سے مکہ مکرمہ آنے والوں کے لیے احرام باندھنا ضروری ہے' خلاف ورزی کی صورت میں دم دینا پڑتا ہے۔ البتہ کسی دوسری میقات پر واپس جا کر احرام باندھ لیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔ چند مواقیت یہ ہیں:

(۱) **یلملم** : جدہ سے کچھ پہلے بحیرۂ عرب میں ایک مقام ہے۔ یہ پاکستان' ہندوستان اور یمن والوں سے بذریعہ بحری جہاز آنے والوں کے لیے میقات ہے۔ ہوائی جہاز جدہ ایئرپورٹ پر اترنے سے پہلے میقات سے گزر جاتا ہے۔

(۲) **ذوالحلیفہ** : مدینہ منورہ کی طرف سے آنے والوں کی میقات ذوالحلیفہ ہے' اسے آبا علی یا بئر علی بھی کہتے ہیں۔

(۳) **جحفہ** : یہ مصر' شام' اہل مغرب اور تبوک کے راستے آنے والوں کی میقات ہے۔ آج کل لوگ قریبی بستی ''رابغ'' ہی سے احرام باندھتے ہیں۔

(۴) **قرن المنازل** : یہ نجد اور ریاض کے راستے آنے والوں کی میقات ہے۔

(۵) **ذات عرق** : یہ اہل عراق یعنی بصرہ اور کوفہ کے لوگوں کی میقات ہے۔

حج اور دوسرے مذاہب کے تہوار

مولانا مکی حجازی فرماتے ہیں:

''الحمدللہ یہ بات تقریباً ہر مسلمان جانتا ہے کہ حج اسلام کا اہم رکن ہے۔ اس کی فرضیت اللہ کے قرآن اور سرکار دو عالم ﷺ کے فرمان سے ثابت ہے۔ حضور ﷺ نے اس کو بنیادِ اسلام میں شمار کیا ہے۔ حج رکن اسلام اور ندائے خلیل ہے۔ یہ سنت الانبیاء والمرسلین ہے۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے ہر تہوار پر قرآن وحدیث' عقل ونقل کے دلائل موجود ہیں۔ دنیا کا کوئی اور مذہب اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

(۱) **عیسائیت**: آپ عیسائیت کو لے لیں' جس کے پاس اس وقت قوت ہے' طاقت واقتدار ہے' بڑے جدید علوم ہیں۔ وہ کرسمس مناتے ہیں لیکن وہ اس پر دلیل نہیں لا سکتے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ کرسمس منائی جائے' اس طرح کرسمس ٹری سجائے جائیں' ایسے درخت بنائے جائیں اور ان پر بتیاں جلائی جائیں۔ یعنی وہ اس کو اپنی کتابوں اور اپنے

مذہب سے بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ دنیا میں اس وقت چار اناجیل موجود ہیں لیکن کسی نسخے سے ثابت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح آج کل آپ دیکھتے ہیں کہ باقاعدہ برتھ ڈے منائی جاتی ہیں۔ بہت سارے دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ مناتے ہیں۔ لیکن کیا اس پر کوئی حکم ہے؟ عیسیٰ علیہ السلام کا حکم ہو' تورات میں ہو' زبور میں ہو یا انجیل اور صحائف میں ہو' کسی جگہ تو ہو۔ مگر ایسا کوئی حکم نہیں ہے نہ ہی دلائل موجود ہیں۔

(۲) **یہودیت**: اسی طرح یہودیت کے بعض تہوار ہیں' لیکن وہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ ان تہواروں کے بارے میں ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا ہے یا اللہ کی تورات کے اندر یہ حکم موجود ہے۔

(۳) **ہندومت** : اسی طرح دنیا کے اندر ہندوازم' بدھ مت اور جین مت بھی یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ یہ جو ہم ''دیوالی'' مناتے ہیں یہ کون سے وید میں حکم آیا ہے۔ کس اوتار نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اس طرح دیوالی منانی ہے' ہولی منانی ہے' کس طرح رنگوں سے کھیلنا ہے' کس طرح دیے جلانے ہیں۔

ان تمام باتوں کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کا کوئی مذہب اپنے کسی عادت واطوار اور تہوار پر دلیل نہیں پیش کر سکتا' لیکن اسلام میں ہر تہوار کا حکم موجود ہے۔''

اسلام

اگر ہم اسلام پر غور کریں جو کہ دین فطرت ہے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس کے ہر ہر تہوار' ہر ہر عادت واطوار پر نہ صرف قرآن وحدیث میں اَحکام موجود ہیں' بلکہ ان تہواروں کو منانے کی باقاعدہ تفاصیل موجود ہیں۔ اگر ہم حج کو لیں تو آپ دیکھیں گے کہ نہ صرف حج کے احکام قرآن وحدیث میں موجود ہیں' بلکہ حج کی پوری تفصیل بھی موجود ہے۔ چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں میں یہ شامل ہے کہ: ﴿وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا﴾ (البقرۃ) ''یا اللہ! اس کی ادائیگی کا طریقہ بھی ہمیں آنکھوں سے دکھا دے''۔ تو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا' انہوں نے آ کر آپؑ کو ایک ایک چیز سمجھائی۔ وہ آپ کو منیٰ لے گئے' عرفات لے گئے۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

''جب وہ عرفات میں پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم نے اب جان لیا؟ تو انہوں نے کہا ''عرفتُ عرفتُ'' میں نے جان لیا۔ اس وجہ سے بھی اس کو عرفات کہتے ہیں۔

اسی طرح بعض کتابوں میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی یہ سارے مناسک دکھائے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سمجھایا گیا کہ طواف کیا ہے' حجرِ اسود کیا ہے' رکنِ یمانی کیا ہے' مقامِ ابراہیم کسے کہتے ہیں' حطیم' صفا' مروہ کیا ہے' منیٰ اور مزدلفہ کیا ہیں۔ سب دکھانے کے بعد ان سے کہا گیا کہ کیا آپ نے جان لیا جو کچھ آپؑ کو دکھایا گیا ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے تین مرتبہ یہ بات کہی۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا: ہاں! ان روایات سے پتا چلتا ہے کہ حج کے تمام ارکان ومناسک اللہ رب العزت کے وضع کردہ ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسی دعا کا مظہر ہیں: وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا۔''

حج کے پانچ دن کیسے گزاریں؟

۸ ذوالحجہ (حج کا پہلا دن)

احرام' نفل' نیت اور تلبیہ: صفائی ستھرائی کے بعد ۸ ذوالحجہ کی صبح کو غسل یا وضو کر کے احرام کی چادریں باندھ لیں۔ مکروہ وقت نہ ہو تو مردِ حرم شریف میں آ کر سر ڈھانپ کر دو رکعت نفل ادا کریں۔ عورتیں یہ نفل گھر پر ادا کریں۔ مرد نفل سے فارغ ہو کر سر کھول دیں اور دل سے نیت کریں اور یہ الفاظ ادا کریں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِیْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ

''اے اللہ! میں حج کی نیت کرتا ہوں/ کرتی ہوں اس کو میرے لیے آسان فرما اور قبول فرما۔''

اس کے بعد تین مرتبہ تلبیہ کہیے اور دعا کیجیے۔ اب احرام کی پابندیاں شروع ہو گئیں۔

منیٰ میں: پھر طلوع آفتاب کے بعد منیٰ روانہ ہو جائیے۔ ۸ ذوالحجہ کو منیٰ میں ظہر' عصر' مغرب' عشاء اور ۹ ذوالحجہ کی فجر کی نماز ادا کریں۔ نماز باجماعت کا اہتمام کریں۔ ۹ ذوالحجہ کی فجر سے ۱۳ ذوالحجہ کی عصر تک ہر نماز کے بعد تکبیرِ تشریق کہنا واجب ہے۔

۹ ذوالحجہ (حج کا دوسرا دن)

۹ ذوالحجہ کو نمازِ فجر منیٰ میں ادا کیجیے' تکبیر تشریق کہیے' پھر طلوع آفتاب کے بعد غسل یا وضو کر کے تلبیہ کہتے ہوئے عرفات روانہ ہو جائیے۔ عرفات میں زوال ہوتے ہی وقوف شروع کر دیجیے۔ افضل طریقہ کھڑے رہ کر وقوف کرنا ہے' لیکن اگر کھڑے نہ رہ سکیں تو بیٹھنا بھی جائز ہے۔ تمام وقت تلبیہ' خشوع وخضوع اور گریہ وزاری کے ساتھ دعا اور استغفار میں مشغول رہیں

(یہ وقت قبولیت دعا کا خاص وقت ہے) حدودِ عرفات کا خاص خیال رکھیں۔

(نوٹ: مسجد نمرہ کا کچھ حصہ حدودِ عرفات سے باہر ہے' اس کا خاص خیال رکھیں' اور اگر غروب آفتاب سے پہلے حدود عرفات سے باہر نکل آئے تو دم لازم ہوگا۔)

ظہر وعصر کی نماز: عرفات کی مسجد نمرہ میں نمازِ ظہر وعصر' ظہر کے وقت میں ایک ساتھ باجماعت ادا کی جاتی ہیں۔ اکثر ائمہ مسافر نہ ہونے کے باوجود قصر کرتے ہیں' یعنی دو دو رکعت پڑھتے ہیں' جو احناف کے نزدیک جائز نہیں۔ اس لیے اپنے خیموں میں نماز پڑھنے والے ظہر کی نماز ظہر کے وقت میں اور عصر کی نماز عصر کے وقت میں اذان وتکبیر کے ساتھ باجماعت ادا کریں۔

(نوٹ: وقوفِ عرفہ کا وقت قیمتی ترین ہے۔ خشوع وخضوع کے ساتھ دعا اور مناجات میں مشغول رہنا چاہیے اور غور وفکر کے ساتھ اس چیز کو پہچاننا چاہیے کہ ہم اس دنیا میں کیوں آئے ہیں' کیا کر رہے ہیں اور کہاں جانا ہے۔)

مزدلفہ روانگی: غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز پڑھے بغیر' تلبیہ کہتے ہوئے مزدلفہ روانہ ہو جائیں۔

نماز مغرب وعشاء: مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نماز ملا کر ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ عشاء کے وقت میں باجماعت ادا کریں۔ پہلے مغرب کے فرض' پھر تکبیر تشریق اور تلبیہ' پھر عشاء کے فرض' تکبیر تشریق اور تلبیہ' پھر مغرب کی دو سنت' پھر عشاء کی دو سنت اور پھر وتر پڑھیے۔ اگر مزدلفہ پہنچنے سے پہلے ہی مغرب پڑھ لی تو نماز نہ ہوگی۔ مزدلفہ پہنچ کر دوبارہ پڑھنا لازم ہوگا۔

(نوٹ: بعض گاڑی والے مزدلفہ کی حدود سے پہلے ہی اتار دیتے ہیں۔ مسجد مشعر الحرام سے کچھ پہلے ہی سڑک پر ''مبدأ مزدلفه'' کا بورڈ لگا ہوا ہے' اس سے آگے گزر کر اتریں۔)

ذکر ودعا: یہ بڑی فضیلت والی اور مبارک رات ہے' اس میں زیادہ سے زیادہ ذکر وتلاوت' تلبیہ اور دُعا کا اہتمام کریں' ضرورت ہو تو کچھ آرام بھی کر لیں۔ اس بات کو یاد رکھیں کہ مزدلفہ پہنچ کر اپنے اللہ کو اس طرح سے یاد کریں کہ جو اس کے ماسوا ہے اس کو دل سے بھی بھلا دیں' جس کی طرف قرآن پاک کی اس آیت میں اشارہ ہے:

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۹۸)

''پس اللہ کو یاد کرو مسجد حرام کے نزدیک' اور یاد کرو اسے ایسے جیسے اس نے تمہیں ہدایت کی ہے۔''

۱۰ ذوالحجہ (حج کا تیسرا دن)

نماز فجر اور وقوفِ مزدلفہ (واجب): صبح صادق ہونے پر اذان دے کر سنتیں پڑھ کر فجر کی نماز اول وقت میں باجماعت ادا کیجیے اور پھر کھڑے ہو کر وقوف کیجیے۔ سورج نکلنے تک ذکر و اذکار، دعا و استغفار اور تلبیہ میں مشغول رہیں۔

(نوٹ: اگر وقوفِ مزدلفہ چھوڑ دیا اور صبح صادق سے پہلے ہی منیٰ چلے گئے تو دم واجب ہوگا۔)

کنکریاں: مستحب یہ ہے کہ شیطان کو کنکریاں مارنے کے لیے چنے یا کھجور کی گٹھلی کے برابر ستر کنکریاں ہر آدمی مزدلفہ سے اٹھائے۔

منیٰ واپسی: جب سورج نکلنے کا وقت بالکل قریب آ جائے تو منیٰ روانہ ہو جائیے۔ راستے میں وادی محسر ایک نشیبی جگہ آئے گی۔

جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی: منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی کیجیے۔ ۱۰ ذوالحجہ کو صرف اسی کی رمی کی جاتی ہے۔ یہ زوال سے پہلے افضل ہے، جبکہ اگلے دن کی صبح صادق سے پہلے کسی بھی وقت رمی کی جا سکتی ہے۔ سات کنکریاں ہاتھ میں لے کر اس طرح کھڑے ہوں کہ منیٰ آپ کے دائیں جانب اور مکہ مکرمہ بائیں جانب ہو۔ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے پکڑ کر ایک ایک کنکری ستون کے نچلے حصے پر مارتے جائیے۔ کنکر کا احاطے میں گرنا کافی ہے، ستون کو لگنا ضروری نہیں۔ ہر کنکری پر "بسم اللہ اللہ اکبر" کہیے اور یہ دعا پڑھیے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُوْرًا وَذَنْبًا مَغْفُوْرًا

تلبیہ بند: جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی سے پہلے آپ تلبیہ پڑھنا بند کر دیں، دوسرے اذکار کرتے رہیے۔ رمی سے فارغ ہو کر دعا کے لیے نہ ٹھہریں۔

قربانی (واجب): رمی کے بعد قربانی کیجیے۔ حج کی اس بطور شکر قربانی کے لیے تین دن، یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذوالحجہ مقرر ہیں۔ ۱۲ ذوالحجہ کے غروب آفتاب تک جب چاہیں قربانی کر لیجیے، جبکہ پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے۔

حلق یا قصر (واجب): قربانی کرنے یا کروانے کے بعد مرد پورے سر کے بال منڈوائیں یا پورے سر کے بال انگلی کے پور سے کچھ زیادہ کتروائیں، مگر منڈوانا افضل ہے۔ خواتین پورے سر کے بال انگلی کے پور سے کچھ زیادہ کتروائیں۔ تاہم چوتھائی سر کے بال اتنی مقدار میں کٹ جانے کا اطمینان کر لیں۔ حلق یا قصر کے بعد سوائے تعلق زن و شو کے احرام کی تمام

پابندیاں ختم ہو جائیں گی۔

(نوٹ: پہلے جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی، پھر قربانی، اور پھر حلق یا قصر کروائیے۔ ان میں ترتیب واجب ہے، ورنہ دم لازم ہوگا۔)

طوافِ زیارت (فرض): حلق یا قصر کے بعد غسل کیجیے۔ پھر سلے ہوئے کپڑے پہن کر یا احرام ہی کی چادروں میں مکہ جا کر طواف کیجیے۔ اس کا وقت حلق سے فارغ ہونے کے بعد ۱۲ ذوالحجہ کے غروب آفتاب تک ہے۔ افضل یہی ہے کہ ۱۰ ذوالحجہ ہی کو کر لیا جائے، ورنہ ۱۲ ذوالحجہ تک کبھی بھی کر سکتے ہیں۔

طوافِ زیارت کے بعد سعی کریں، لہٰذا اگر احرام کی چادریں پہنی ہوئی ہیں تو اضطباع (دایاں کندھا کھلا رکھنا) اور پہلے تین چکروں میں رمل کیجیے۔

سعی (واجب): طواف، دو رکعت نماز طواف، ملتزم پر دعا، زمزم پینے اور دعا مانگنے سے فارغ ہو کر پھر حجر اسود کا استلام کیجیے، صفا و مروہ کی سعی کیجیے۔ سعی سے فارغ ہو کر منیٰ میں واپس آ جائیے اور رات منیٰ میں گزاریے۔

۱۱ ذوالحجہ (حج کا چوتھا دن)

جمرات (شیطان) کی رمی: ۱۱ ذوالحجہ کو زوال کے بعد تینوں جمرات جمرۂ اولیٰ (چھوٹا شیطان)، جمرۂ وسطیٰ (درمیانہ شیطان) اور جمرۂ عقبہ (بڑا شیطان) پر ترتیب سے سات کنکریاں مارے۔ یہ رمی زوال کے بعد غروب آفتاب سے پہلے تک سنت ہے۔ رات کے اوقات میں بھی صبح صادق سے پہلے تک کر سکتے ہیں۔

دعا: جمرۂ اولیٰ (چھوٹا شیطان) اور جمرۂ وسطیٰ (درمیانہ شیطان) کی رمی سے فارغ ہو کر دونوں کے بعد الگ الگ ذرا آگے بڑھ کر قبلہ رو ہو کر دعا کیجیے۔ (یہ قبولیت دعا کا خاص وقت ہے)، مگر جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی کے بعد دعا کیے بغیر اپنے مقام پر واپس آ جائیے۔

(نوٹ: تندرست عورت پر خود رمی کرنا لازم ہے اور اگر اس کی طرف سے کسی اور نے رمی کی تو عورت کو دم دینا پڑے گا۔)

۱۲ ذوالحجہ (حج کا پانچواں دن)

جمرات (شیطان) کی رمی: زوال کے بعد غروب آفتاب سے پہلے تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں ماریے، جس طرح گزشتہ روز یعنی ۱۱ ذوالحجہ کو رمی کی تھی۔

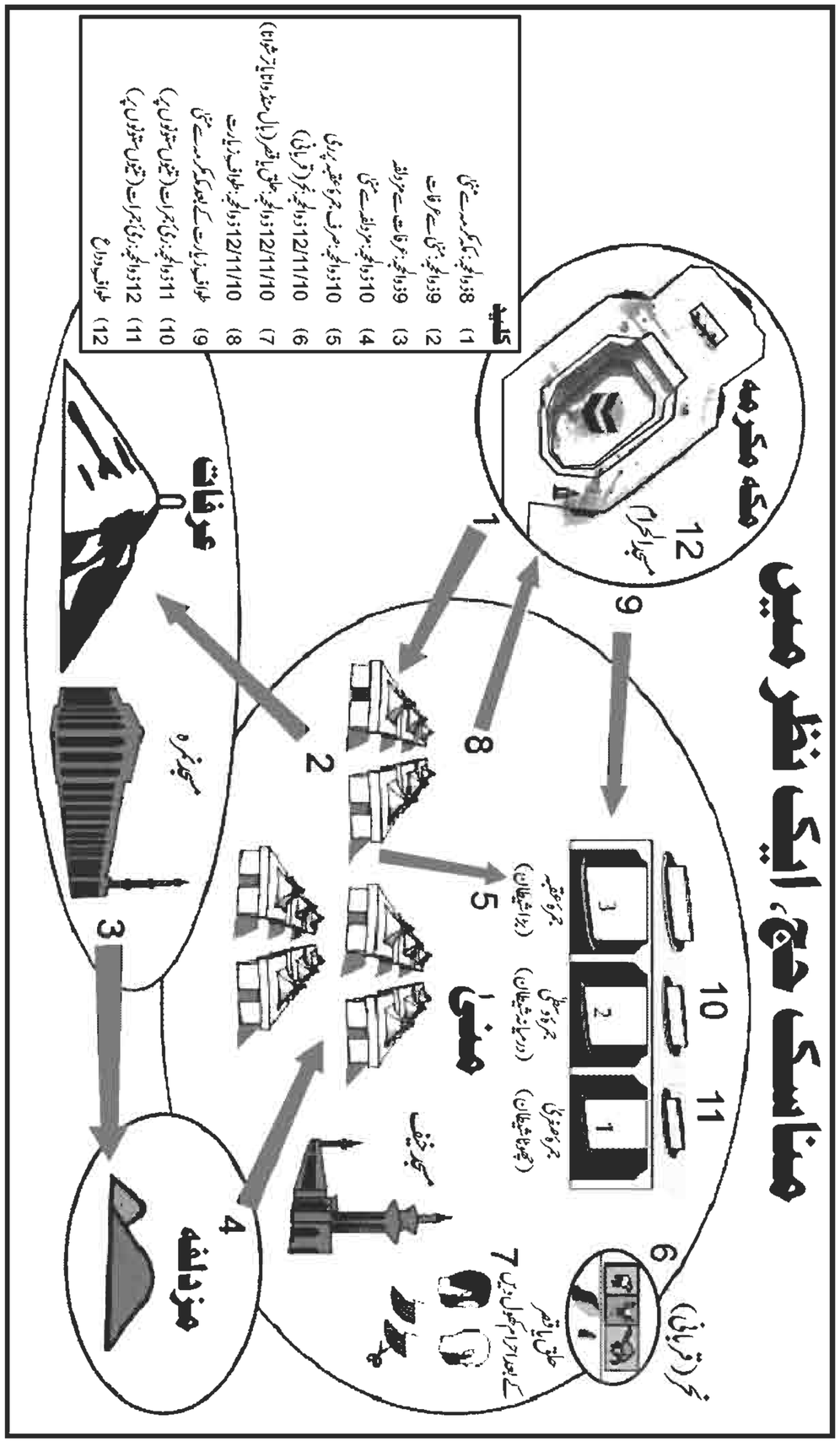

ٹھہرنے کا اختیار اور رمی: ۱۲ ذوالحجہ کی رمی کے بعد آپ کو اختیار ہے کہ خواہ منیٰ میں ٹھہریں یا مکہ واپس آ جائیں۔ افضل یہی ہے کہ منیٰ میں ٹھہریں اور ۱۳ ذوالحجہ کو اسی طرح تینوں شیطانوں کی رمی کر کے واپس آئیں۔ اگر آپ کو ۱۳ ذوالحجہ کی صبح منیٰ ہی میں ہوگئی تو یہ رمی بھی واجب ہو جائے گی۔ زوال کے بعد تینوں شیطانوں کی رمی کر کے مکہ واپس آئیں۔

طوافِ وداع (واجب): حج آپ کا مکمل ہو گیا' بس ایک طواف مکہ مکرمہ سے رخصت ہوتے وقت کیجیے۔ یہ طوافِ وداع کہلاتا ہے جو واجب ہے۔ اس کا طریقہ عام نفل طواف ہی کی طرح ہے' اس میں نہ رمل ہے نہ اضطباع اور نہ اس کے بعد صفا اور مروہ کی سعی ہے' البتہ دو رکعت واجب الطّواف ضروری ہیں۔

مسجدِ نبویؐ دیارِ نبیؐ کی زیارت

حج سے پہلے یا اس کے بعد مسجد نبوی کی زیارت مسنون ہے' جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میری اس مسجد میں ایک وقت کی نماز مسجد حرام کے علاوہ مسجدوں کی ایک ہزار نماز سے بہتر ہے۔'' اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اس مسجد میں ایک وقت کی نماز دوسری مسجد کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے' سوا مسجد حرام کے'' (مسلم)

جب زیارت کرنے والا مسجد نبویؐ کے پاس پہنچے تو اس کو چاہیے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے اپنا داہنا پیر داخل کرے اور یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ' وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ' مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ' اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

''اللہ کے نام سے اور درود وسلام ہو اللہ کے رسول (محمد ﷺ) پر۔ اللہ عظمت والے کی پناہ چاہتا ہوں اور اس کی بزرگ چہرے اور قدیم سلطنت کی پناہ چاہتا ہوں شیطانِ مردود سے۔ اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔''

عام مساجد میں داخلے کی بھی یہی دعا ہے' جبکہ مسجد نبوی میں داخلہ کی کوئی مخصوص دعا نہیں ہے۔ پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے جس میں اللہ سے دنیا و آخرت کی محبوب چیزیں مانگے۔ اگر یہ دونوں رکعتیں روضۂ شریف (ریاض الجنة) میں پڑھے تو اور افضل ہے' اس

لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

''میرے گھر اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

نماز کے بعد نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے صاحبین حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کی زیارت کرے اور نبی کریم ﷺ کی قبر کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور دبی آواز کے ساتھ آپ پر اس طرح سلام بھیجے: **السلام علیك یارسول اللّٰہ ورحمة اللّٰہ وبرکاته۔**

سنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دے گا' یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دے دوں گا۔''

پھر حضرات ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) پر سلام بھیجے اور ان دونوں کے لیے دعا کرے۔

زائر کو چاہیے کہ پانچوں وقت کی نمازیں مسجد نبوی میں باجماعت ادا کرے اور یہاں کثرت سے ذکر' دُعا اور نفلی نمازوں کا اہتمام کرے اور زیادہ ثواب کمانے کی اس فرصت کو غنیمت جانے۔ زائرین اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ وہاں کسی کے لیے بھی جائز نہیں کہ آپ ﷺ کے حجرے کی جالیوں کو چھوئے یا اس کو بوسہ دے یا اس کا طواف کرے۔ اس لیے کہ یہ طریقہ سلف صالحین سے منقول نہیں بلکہ یہ بدترین بدعت ہے۔ وہاں کسی کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے کسی حاجت کو پوری کرنے یا کسی مصیبت کو دور کرنے' یا مریض کو شفا دینے وغیرہ کا سوال کرے' کیونکہ یہ سب حاجات صرف اللہ سے مانگی جاتی ہیں۔ ان کا وفات یافتہ شخص سے مانگنا اللہ کے ساتھ شرک ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ یاد رکھیں' اسلام دو بنیادوں پر قائم ہے' اوّل یہ کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی جائے۔ دوسرے یہ کہ عبادت صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مشروع کردہ طریقے پر کی جائے۔

حجاج کرام اپنے ذہن میں غور و فکر کرتے رہیں کہ سفرِ حج کوئی عام سفر نہیں ہے' بلکہ یہ زندگی کا اہم ترین سفر ہے۔ یہ سفر درحقیقت سفر آخرت کی یاد تازہ کرتا ہے کہ اعزّہ و اقرباء سب کو چھوڑ کر احرام کی دو چادریں اوڑھ کر جانے والے مسافر ایک دن تو اسی طرح سب کچھ چھوڑ کر کفن کی دو چادریں اوڑھ کر دنیا سے چلا جائے گا۔ سفر حج سے اگر سفر آخرت کی یاد پیدا نہ ہوئی تو سفر حج کا مقصد حاصل نہ ہوا۔ بامقصد سفر کے نتیجے میں حاجی جب گھر واپس لوٹتا ہے تو اس کی معصومیت اور نومولود بچے کی معصومیت میں کوئی فرق نہیں ہوتا' اس لیے ابتدا ہی سے اس سفر کو

آداب کی رعایت کے ساتھ کرنے کی فکر پیدا کی جائے اور سفر حج سے متعلق ضروری اور اہم ہدایات پر عمل کیا جائے تاکہ اس عظیم سفر کا مقصد حاصل ہو سکے۔

حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب بنی الاسلام علی خمس۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان ارکان الاسلام ودعائمه العظام۔

(۲) سنن الترمذی' کتاب الحج عن رسول اللّٰہ ﷺ' باب ما جاء فی التغلیظ فی ترك الحج۔ قال ابوعیسیٰ هذا حدیث غریب۔

(۳) سنن الدارمی' کتاب المناسك' باب من مات ولم یحج۔

(٤) صحیح البخاری' کتاب الجمعة' باب فی کم یقصر الصلاة (واللفظ له)۔ وصحیح مسلم' کتاب الحج' باب سفر المرأة مع محرم الیٰ حج وغیره۔

(٥) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب من اکتتب فی جیش فخرجت امرأته حاجة ..... وصحیح مسلم' کتاب الحج' باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیره۔

(٦) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب من قال ان الایمان هو العمل۔وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان کون الایمان باللّٰہ تعالیٰ افضل الاعمال۔ **ومتعدد مقامات۔**

(۷) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب فضل الحج المبرور۔ وصحیح مسلم' کتاب الحج' باب فی فضل الحج والعمرة ویوم عرفة۔ واللفظ للبخاری۔

(۸) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب وجوب العمرة وفضلها۔ وصحیح مسلم' کتاب الحج' باب فی فضل الحج والعمرة ویوم عرفة۔

(۹) سنن الترمذی' کتاب الحج عن رسول اللّٰہ ﷺ' باب ما جاء فی ثواب الحج والعمرة۔ وسنن النسائی' کتاب مناسك الحج' باب فضل المتابعة بین الحج والعمرة۔

(۱۰) سنن ابن ماجه' کتاب المناسك' باب فضل دعاء الحاج۔

(۱۱) سنن النسائی' کتاب مناسك الحج ' باب فضل الحج۔

(۱۲) مسند احمد' ح ٥۱۱٦' راوی : عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنهما۔

(۱۳) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰة المصابیح' کتاب المناسك' الفصل الثالث۔

مصادر و مآخذ

☆تفہیم القرآن ☆مشکوٰۃ شریف ☆انوار حرمین
☆رفیق حج وعمرہ ☆حقیقت اسلام

❁❁❁

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى

(تقویٰ کی بنیاد پر قائم کی گئی مسجد)

عتیق الرحمٰن صدیقی

مدینہ منوّرہ کی جانب ہجرت

مکّہ معظّمہ میں حالات نہایت دگرگوں، ناموافق اور نامساعد تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ وہ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی معیت میں مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ روانہ ہوئے تو قوم ہماری تلاش میں تھی، مگر سراقہ بن مالک بن جعشم کے سوا، جو اپنے گھوڑے پر آیا تھا، اور کوئی ہمیں نہ پاسکا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! یہ پیچھا کرنے والا ہمیں آ لیا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبۃ: ۴۰) ''غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔ راستے میں نبی مکرم ﷺ کو اپنی قوم کے سردار بریدہ اسلمی ملے۔ قریش نے جس زبردست انعام کا اعلان کر رکھا تھا، وہ اسی کی لالچ میں حضور گرامی ﷺ اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تلاش میں سرگرداں تھے، مگر جب رسول اللہ ﷺ سے سامنا ہوا، بات چیت ہوئی تو نقد دل دے بیٹھے اور اپنی قوم کے ستّر آدمیوں سمیت وہیں مسلمان ہو گئے۔ اپنی پگڑی اتار کر نیزہ میں باندھ لی اور اعلان کیا: ''امن کا بادشاہ، صلح کا حامی، دنیا کو عدالت اور انصاف سے بھرپور کرنے والا تشریف لا رہا ہے۔'' (رحمۃ للعالمین، ج ۱، ص ۱۰۱)

قبا میں ورود

دوشنبہ (پیر) ۸ ربیع الاول ۱۳ نبوی یعنی ۱ ہجری مطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء کو رسول کریم ﷺ قبا میں وارد ہوئے۔ مسلمانانِ مدینہ نے مکہ سے حضور اکرم ﷺ کی روانگی کی خبر سن لی تھی۔ وہ ہر روز آپ ﷺ کی راہ تکتے رہتے تھے اور پھر ایک روز یہ آواز اُبھری کہ عرب کے لوگو! یہ رہا

تمہارا نصیب جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔ یہ سنتے ہی مسلمان ہتھیاروں کی طرف دوڑ پڑے۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہی بنی عمرو بن عوف (ساکنانِ قبا) میں شور بلند ہوا اور تکبیر سنی گئی۔ مسلمان آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے استقبال کے لیے نکل پڑے۔ پھر آپ ﷺ سے مل کر تحیۂ نبوت پیش کیا اور گرد و پیش پروانوں کی طرح جمع ہو گئے۔ اُس وقت آپ ﷺ پر سکینت چھائی ہوئی تھی اور وحی نازل ہو رہی تھی: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝۴﴾ (التحریم) ''اللہ آپ کا مولیٰ ہے اور جبریل اور صالح مؤمنین بھی، اور اس کے بعد فرشتے آپ کے مددگار ہیں۔''

(زادالمعاد، بحوالہ الرحیق المختوم)

مسجد قبا کی تعمیر

قبا میں حضور نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ مسجد کی تعمیر تھی۔ اس مسجد کی زمین پر پہلے حضرت کلثوم رضی اللہ عنہا کا مربد (کھجوریں خشک کرنے کے لیے افتادہ جگہ) تھا۔ حضرت کلثومؓ نے تعمیر مسجد کے لیے خوشی سے یہ زمین حضور نبی کریم ﷺ کے سپرد کر دی۔ چنانچہ سرورِ کونین ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس مقدس مسجد کی بنیاد رکھی جس کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝۱۰۸﴾ (التوبۃ)

''جو مسجد اوّل روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ آپؐ اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں، اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔''

حضور ﷺ ہر ہفتہ کے روز مدینہ سے قبا تشریف لاتے اور اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے۔ اس مسجد کی تعمیر میں نبی مکرم ﷺ مزدوروں کی طرح خود بھی کام کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ کے جسم اطہر کو تکان سے چور چور دیکھ کر پریشان ہوتے۔ شاعر انصار حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی مسجد کی تعمیر میں شریک تھے۔ وہ تھکن مٹانے کے لیے یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے:

اَفْلَحَ مَنْ يُّعَالِجُ الْمَسَاجِدَا
وَيَقْرَءُ الْقُرْآنَ قَائِمًا وَّقَاعِدَا
وَلَا يَبِيْتُ اللَّيْلَ عَنْهُ رَاقِدَا

''وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے' اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے' اور رات کو غافل ہو کر نہیں سوتا۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کتنا عرصہ قبا میں رہے' اس بارے میں اختلاف ہے۔ بہرحال علامہ شبلی نعمانی نے ۱۴ دن والی روایت کو ترجیح دی ہے۔

مدینہ کو روانگی اور مسجد نبوی کی تعمیر

قبا میں چند روزہ قیام کے بعد سرورِ عالم ﷺ نے یثرب جانے کے لیے اپنی اونٹنی قصویٰ طلب فرمائی۔ آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ قبا کے انصار حضور نبی کریم ﷺ کی فرقت پر افسردہ خاطر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں جہاں جا رہا ہوں مجھے وہیں جانے کا حکم ہے۔ راستے میں نبی اکرم ﷺ بنو سالم کے محلّہ میں ٹھہرے اور یہاں نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر یثرب کی جنوبی سمت سے شہر میں داخل ہوئے۔ اہلِ یثرب نے نہایت جوش و خروش سے مکہ کے دُرِّ یتیم کا استقبال کیا۔ اُس دن سے یثرب مدینۃ النبی ﷺ بن گیا۔

نبی کریم ﷺ نے یہاں پہلا کام یہ کیا کہ مسجد نبویؐ کی تعمیر کا آغاز کیا اور اس کے لیے وہی جگہ منتخب کی جہاں آپؐ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ اس زمین کے مالک دو یتیم بچے تھے۔ ان بچوں سے یہ زمین قیمتاً خریدی گئی۔ نبی کریم ﷺ بنفس نفیس مسجد کی تعمیر میں شریک ہوئے اور برابر اینٹ اور پتھر ڈھونے لگے۔ ساتھ ہی یہ فرماتے جاتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَہْ
فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَہْ

''اے اللہ! اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے' پس انصار و مہاجرین کو بخش دے۔''

مسجد نبوی کی تعمیر کا اہتمام کر کے نبی اکرم ﷺ نے ایک مرکز کو وجود بخشا۔ اس طرح ایک تابناک کارنامہ سرانجام دے کر مؤاخات اور بھائی چارے کی بنیاد رکھی گئی۔

مسجد ضرار اور اس کا انجام

قبا اور مدینۃ النبی میں سرورِ کونین ﷺ کا پہلا کام مساجد کی تعمیر تھا۔ اس مقدس کام کی اہمیت اس امر سے عیاں ہوتی ہے کہ نبی مکرم ﷺ خود اس کام میں مسلسل شریک رہے۔ مگر دوسری طرف اس اہم مشن کے خلاف منافقین کی طرف سے سازشوں کے تانے بانے بنے

جا رہے تھے۔ قبیلہ خزرج کا ابو عامر نامی شخص' جس نے درویشی کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا اور جاہل عربوں میں اس کی مشیخت کا سکہ چل رہا تھا' اس سازش کا سرغنہ تھا۔ اس نے اہلِ ایمان میں دراڑیں ڈالنے کے لیے ایک الگ مسجد بنانے کا منصوبہ بنایا۔ مدینہ میں اس وقت دو مسجدیں تھیں' ایک مسجد قبا جو شہر کے مضافات میں تھی اور دوسری مسجد نبویؐ جو شہر کے اندر تھی۔ اب ایک الگ مسجد کی تعمیر تفریق بین المسلمین کے مترادف تھی۔ الگ مسجد بنانے کی یہ ضرورت پیش کی گئی کہ بارش اور سردی کی راتوں میں عام لوگوں اور خصوصاً ضعیفوں اور معذوروں کے لیے جو ان مسجدوں سے فاصلے پر رہتے ہیں' پانچوں وقت مذکورہ مساجد میں حاضری دینا مشکل ہے— چنانچہ جب مسجد ضرار کی تعمیر مکمل ہو گئی تو یہ شر پسند حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپؐ اس مسجد کا افتتاح کریں۔ حضور ﷺ اُس وقت غزوۂ تبوک کی تیاریوں میں مصروف تھے' فرمایا کہ اس مہم سے واپسی پر دیکھا جائے گا۔ حضور ﷺ جب تبوک سے فاتحانہ طور پر واپس ہوئے تو مدینہ کے قریب ذی آوان کے مقام پر یہ آیات نازل ہوئیں اور مسجد ضرار کو مسمار کر دیا گیا۔ فرمایا:

﴿اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ ھَارٍ فَانْھَارَ بِہٖ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا یَزَالُ بُنْیَانُھُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَۃً فِیْ قُلُوْبِھِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُھُمْ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۱۱۰﴾﴾ (التوبۃ)

''پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ بہتر انسان وہ ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضا کی طلب پر رکھی ہو یا وہ جس نے اپنی عمارت ایک وادی کی کھوکھلی بے ثبات کگر پر اٹھائی اور وہ اسے لے کر سیدھی جہنم کی آگ میں جا گری؟ ایسے ظالم لوگوں کو اللہ کبھی سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔ یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں بے یقینی کی جڑ بنی رہے گی (جس کے نکلنے کی اب کوئی صورت نہیں) بجز اس کے کہ ان کے دل ہی پارہ پارہ ہو جائیں۔ اللہ نہایت باخبر اور حکیم و دانا ہے۔''

تقویٰ کا مفہوم

ہم نے مندرجہ بالا سطور میں جن مساجد کا ذکر کیا ہے ان میں ایک تو وہ ہیں جن کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے اور دوسری وہ مسجد جسے ''مسجد ضرار'' سے تعبیر کیا گیا ہے' اغراض فاسدہ اور عزائم مذمومہ کے لیے تعمیر کی گئی۔ تقویٰ قرآن مجید کی ایک اہم اصطلاح ہے جو اپنی جامعیت

اور ہمہ گیریت کے اعتبار سے منفرد ہے۔ لغوی لحاظ سے یہ اصل میں ''وَقْوٰی'' ہے جس کے معنی پرہیز کرنے' لحاظ کرنے اور بچنے کے ہیں' لیکن دین کی اصطلاح میں یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا کر کے دل میں خیر و شر کی تمیز کی خلش' خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کرتی ہے۔ دراصل اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد اپنے ہر عمل کے قالب میں اسی تقویٰ کی روح کو پیدا کرنا ہے۔ سید سلیمان ندوی' سیرت النبی ﷺ جلد ششم میں لکھتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کی تمام تعلیمات کا خلاصہ اگر ہم ایک لفظ میں بیان کرنا چاہیں تو ہم اس کو تقویٰ سے ادا کر سکتے ہیں۔

مساجد کی تعمیر کی بھی بنیادی شرط تقویٰ ہے۔ المَسجِد (ظرف) کے معنی جائے نماز کے ہیں اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ﴾ (الجن:۱۸) ''اور مسجدیں تو اللہ تعالیٰ ہی (کی عبادت) کے لیے ہیں''۔ قرآن کہتا ہے کہ مشرکین کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کے مجاور اور خادم بنیں درآنحالیکہ اپنے اوپر وہ خود کفر کی شہادت دے رہے ہوں — مزید فرمایا:

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ (التوبہ)

''اللہ کی مسجدوں کے آباد کار تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخر کو مانیں اور نماز قائم کریں' زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں' انہی سے توقع ہے کہ سیدھی راہ چلیں گے۔''

کھوکھلی اور بے ثبات عمارت

مسجد ضرار کو قرآن مجید نے ایک ایسی عمارت سے تشبیہہ دی ہے جو ایک وادی کی کھوکھلی بے ثبات کگر پر اٹھائی گئی ہو اور جو اپنے بنانے والے کو سیدھا جہنم کی آگ میں لے گری۔ صاحب تفہیم القرآن لکھتے ہیں:

''جو لوگ اپنے عمل کی بنیاد خدا سے بے خوفی اور اس کی رضا سے بے نیازی پر رکھتے ہیں ان کی تعمیر حیات کو یہاں اس عمارت سے تشبیہہ دی گئی ہے جو ایک کھوکھلے بے ثبات کنارۂ دریا پر اٹھائی گئی ہو..... حیاتِ دُنیا کی وہ ظاہری سطح بھی جس پر ہم اپنے کارنامۂ زندگی کی عمارت اٹھاتے ہیں' بجائے خود کوئی ثبات نہیں رکھتی بلکہ اس کی مضبوطی اور پائیداری کا انحصار اس پر ہے کہ اس کے نیچے خدا کے خوف' اس کے حضور جواب دہی کے احساس اور اس کے اتباع کی ٹھوس چٹان موجود ہو۔'' (التوبۃ' حاشیہ ۱۰۳)

منافقین کے عزائم

حقیقت میں منافقین نے مسجد کے نام پر ایک ایسی عمارت کھڑی کی جس سے اہلِ ایمان کو نقصان پہنچے اور ان میں افتراق پیدا ہو۔ قرآن حکیم نے اس کے لیے ''ضِرَارًا'' کا لفظ استعمال کیا ہے — ضرر اور ضرار دونوں عربی زبان میں نقصان پہنچانے کے معنی میں مستعمل ہیں۔ قرآن نے اس مسجد کی تعمیر کی یہ غرض یہ بیان کی ہے کہ اہلِ ایمان میں تفرقہ پیدا ہو' وہ ٹکڑوں میں بٹ جائیں' مسجد قبا کے نمازی گھٹ جائیں اور نفسیاتی طور پر بھی مؤمنین پریشانی سے دوچار ہوں — منافقین کے پیش نظر ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بندی کے لیے ایک پناہ گاہ مل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے مذموم اور مکروہ منصوبے اور چال کو وحی کے ذریعے طشت از بام کر دیا' چنانچہ مسجد ڈھا دی گئی اور اسے آگ لگا دی گئی۔ درحقیقت وہ مسجد تھی ہی نہیں بلکہ وہ تو منافقین نے اپنے فاسد اغراض کی منصوبہ بندی اور ان کو حتمی شکل دینے کے لیے ایک مرکز تعمیر کیا تھا۔

مساجد کے تقدس کا اقتضا

مساجد کے تقدس کا اقتضا یہ ہے کہ انہیں شرک کی آلودگی اور نجات سے کلیتًا پاک رکھا جائے اور وہاں اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارا جائے۔ مساجد میں ایسے نعروں سے بھی احتراز کیا جائے جن سے شرک کی آمیزش کا احتمال پیدا ہوتا ہے۔ یہ عبادت گاہیں دراصل اللہ کی بندگی اور عبودیت کے لیے مختص ہیں' یہاں اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت سے مکمل طور پر باز رہا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ (الجن) ''اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں پس ان میں اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو''۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ زمین پوری کی پوری عبادت گاہ ہے اور آیت کا منشا یہ ہے کہ خدا کی زمین پر کہیں شرک نہ کیا جائے۔ ان کا استدلال نبی ﷺ کے اس ارشاد سے ہے کہ ((جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا)) (بخاری) ''میرے لیے پوری زمین عبادت کی جگہ اور طہارت حاصل کرنے کا ذریعہ بنائی گئی ہے۔'' (تفہیم القرآن' سورۃ الجن' حاشیہ ۱۹)

تعمیرِ مسجد کے عزائم

عوام کی سہولت اور آرام کے لیے اگر مسجد تعمیر کی جائے' ارادے نیک ہوں' نیتوں میں اخلاص ہو' اہلِ ایمان کے درمیان تفریق مطلوب نہ ہو اور واقعی ضرورت موجود ہو تو ایک مسجد

کے قریب دوسری مسجد بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ اگر اغراض مذموم ہوں تو ایسی مسجد کا بنانا کارِ ثواب نہیں۔ مسلک کے تقید کو بڑھانے اور اختلافی ونزاعی امور کو فتنہ وفساد کا ذریعہ بنانے کے لیے اگر کوئی مسجد تعمیر کی جائے گی تو اسے گرانا تو درست طرزِ عمل نہیں، مگر وہ مسجد ضرار کے مماثل قرار پائے گی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ایک فرمان جاری کیا تھا کہ ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد نہ بنائی جائے۔ صاحبِ معارف القرآن نے تفسیرِ کشاف کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نئی مسجد تعمیر کرنے سے پہلی مسجد کی رونق متاثر ہونے کا خطرہ موجود ہوتا ہے۔

تمام مکاتب فکر کے علماء کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ہر شہر اور بستی میں ایک ضابطۂ اخلاق کی پابندی کریں اور اختلافی مسائل کے لیے حدود کا تعین کریں تاکہ دین حق سے مؤانست پیدا ہو، مساجد سے عوام کا شغف بڑھے اور اہلِ علم کا احترام ان کے دلوں میں موجزن ہو۔ نماز اسی مسجد میں درست ہوگی جو تقویٰ کی بنیاد پر قائم کی گئی ہو، جہاں ایسے لوگ نماز پڑھتے ہوں جو پاکی اور طہارت کے امور میں پوری طرح محتاط ہوں اور انہیں یہ احتیاط محبوب ہو۔ مسجد کی فضیلت کا مدار ہی اس امر پر موقوف ہے کہ وہ خلوص وللّٰہیت کے جذبے سے تعمیر کی گئی ہو اور جہاں نیک، صالح، عالم اور عابد نہایت خشوع وخضوع سے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہوں اور تقویٰ ہی ان کا شعار ہو۔ وہ ریا، نمود اور ضد وعناد سے نفرت کرتے ہوں اور صرف تعلق باللہ میں مضبوطی اور صفائے قلب ونظر ان کے پیش نظر ہو۔

مساجد کی پہچان

مساجد اللہ کے گھر ہیں اور کسی مخصوص مکتب فکر کی تولیت سے بھی ماورا ہیں، مگر ہمارے ہاں ان کی شناخت کا مدار معروف مکاتب فکر پر ہے۔ الفاظ کے پیچ وخم میں اُلجھ کر سابقوں اور لاحقوں پر اترانا اور جتھہ بندی کا باغ سجانے میں اپنی تمام تر قوتوں کو مجتمع کرنا، شیرازہ بندی کی بجائے شیرازہ بکھیرنے کا موجب بنتا ہے۔ یوں اللہ کا یہ گھر فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھ کر اپنی وسعتوں کو کھو دیتا ہے اور ایک مسلکی تنگنائے میں مقید ہو کر رہ جاتا ہے۔ اختلافِ رائے میں اگر علمی جہت کا بانکپن قائم رہے تو اکتشاف وانکشاف کا پہیہ رواں دواں رہتا ہے۔ بصورتِ دیگر اگر اختلاف کو مخالفت میں بدل دیا جائے تو فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ ہوتا ہے اور جذب و کشش کی فضا ناپید ہو جاتی ہے۔ مساجد محبت، اخوت اور راست فکری کے گہوارے ہیں۔ علماء اگر کج فکری کا شکار نہ ہونے پائیں تو نہایت خوش کن ثمرات کی آبیاری ممکن ہے۔

مسجد کی اساسی حیثیت

اقامتِ صلوٰۃ وایتائے زکوٰۃ اسلامی شریعت کے دو بنیادی احکام ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پاسبانی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اقامت صلوٰۃ میں مسجد کو ایک اساسی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ ایمان کی بستی اور مسجد لازم وملزوم ہیں۔ مسجد کی حیثیت ایک اکیڈمی کی سی بھی ہے جو دینی تعلیم وتذکیر، دین کی دعوت، اللہ کے ذکر اور اس کے بندوں کے ربط وتعلق اور وابستگی کے مقاصد کو بدرجۂ اولیٰ پورا کرتی ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے پہلا کام تعمیر مسجد کا کیا۔ مسجد اسلام کی ایک اہم علامت ہے اور اہلِ اسلام کی پہچان بھی ہے، اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا رَاَیْتُمْ مَسْجِدًا اَوْ سَمِعْتُمْ مُؤَذِّنًا فَلَا تَقْتُلُوْا اَحَدًا)) (سنن ابی داؤد)

''اگر کہیں تم مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی کو قتل نہ کرو۔''

تعمیرِ مساجد اور آبادی کی وسعت

جب آبادی وسعت اختیار کر جاتی ہے تو نئی مساجد کی تعمیر ناگزیر ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ادوار میں جب اسلامی حکومت میں خاصی توسیع ہو چلی تھی جا بجا مساجد موجود تھیں۔ جب عراق فتح ہوا تو ہر جگہ مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ مصر فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے وہاں نہایت عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی اور تقریباً اسّی صحابہؓ کے مشورے سے اس کا قبلہ سیدھا کیا۔ اس مسجد میں بخور بھی سلگایا جاتا تھا۔ انصار کی جو آبادیاں تھیں ان سب میں الگ الگ مسجدیں قائم تھیں۔ قبیلوں اور آبادیوں کے علاوہ مدینہ کے راستوں میں بکثرت مسجدیں آباد تھیں اور ان میں سے بعض میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ امام بخاری نے ایک خاص باب باندھا ہے جس کا عنوان یہ ہے: **باب المساجد التی علٰی طرق المدینة والمواضع التی صلّٰی فیها النبی ﷺ** اور اس کے ماتحت ان مساجد اور جگہوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں نبی کریم ﷺ نے نمازیں پڑھی ہیں۔ (بحوالہ اُسوۂ صحابہ، جلد دوم)۔ تعمیر مساجد کا بنیادی اصول جو قرآن نے بتایا ہے وہ یہ ہے کہ مساجد کی بنیاد تقویٰ پر ہو، اگر یہ شرط موجود ہے تو نئی مسجد تعمیر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ ایک مسجد اور دوسری مسجد کے درمیان مناسب فاصلہ کا تعین کر لینا چاہیے۔

مساجد کا ادب واحترام

جس طرح اہلِ ایمان کی آبادی میں مسجد ناگزیر ہے اسی طرح مسجد کی تقدیس وتحریم بھی

مؤمن کے ایمان کا لازمی جزو ہے۔ مساجد کی حفاظت' صفائی اور دوسری ضروریات کا اہتمام اہل ایمان کے فرائض میں شامل ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد کی حاضری کا پابند ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ.....﴾

صاحبِ معارف القرآن نے صحیحین کی یہ حدیث نقل کی ہے: ''جو شخص صبح وشام مسجد میں حاضر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا ایک درجہ تیار فرما دیتے ہیں'' — تفسیر مظہری میں صاحب تفسیر رقم طراز ہیں: ''مسجد کو ایسی چیزوں سے پاک رکھا جائے جن کے لیے مسجدیں نہیں بنائی گئیں' مثلاً خرید وفروخت' دنیا کی باتیں' کسی گم شدہ چیز کی تلاش' یا دنیا کی چیزوں کا لوگوں سے سوال یا فضول قسم کے اشعار' لڑائی جھگڑا اور شور وشغب وغیرہ۔''

صفائی ستھرائی اور روشنی کا انتظام

مسجد کی صفائی ستھرائی' اس میں روشنی کا انتظام' اسے خوشبو میں بسانا' اہل ایمان کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ ایک بار کسی نے مسجد نبوی میں تھوک دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو ملاحظہ فرمایا تو اس قدر برہم ہوئے کہ چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا۔ ایک صحابیہؓ نے اٹھ کر اس کو صاف کر دیا اور اس جگہ خوشبو لگا دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے اور فرمایا: ''خوب کام کیا۔'' (نسائی' کتاب الصلوٰۃ' باب تخلیق المساجد)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مساجد میں وسیع پیمانے پر روشنی کا انتظام کیا۔ چنانچہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسجدوں میں قندیلوں کی جگمگاہٹ دیکھی تو بولے: ''عمرؓ نے جس طرح ہماری مساجد میں اُجالا کیا اسی طرح اللہ ان کی قبر میں اجالا کر دے۔'' (اسد الغابۃ' تذکرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحوالہ اسوۂ صحابہ از عبدالسلام ندوی)

اخذ واستفادہ

☆ تفہیم القرآن' جلد دوم وششم
☆ معارف القرآن' جلد چہارم
☆ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم' جلد ششم
☆ رحمتِ دارین (طالب ہاشمی)
☆ الرحیق المختوم
☆ حیاتِ رسولِ اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم
☆ اُسوۂ صحابہؓ (عبدالسلام ندوی)
☆ رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

مصافحہ' معانقہ' تقبیل اور قیام

اسلامی تعلیمات کے تناظر میں

حافظ محمد زاہد☆

سلام' سلام کے فضائل وآداب اور سلام نہ کرنے کے مواقع کے بارے میں تفصیلی گفتگو میرے پچھلے مضمون (شائع شدہ میثاق جولائی ۲۰۱۱ء بعنوان: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) میں ہو چکی ہے' اب اس مضمون میں چند اور چیزوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو ہمارے معاشرے میں ملاقات کے وقت رائج ہیں:

(۱) مصافحہ: ملاقات کے وقت ہاتھ ملانا۔

(۲) معانقہ: ملاقات کے وقت گلے ملنا۔

(۳) تقبیل: ملاقات کے وقت ہاتھ' پیشانی یا چہرے کا بوسہ لینا۔

(۴) قیام: آنے والے کے لیے کھڑا ہونا۔

اسلام میں ان کے بارے میں کیا احکام ہیں' یہاں ان کو فرداً فرداً بیان کیا جا رہا ہے۔

مصافحہ

مصافحہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے: صَافَحَ یُصَافِحُ مُصَافَحَةً۔ جس کے معنی ہیں: ہتھیلی کا ہتھیلی سے ملانا یا ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ میں لینا۔ عرفِ شریعت میں مصافحہ کا مطلب ہے: ملاقات کے وقت دو آدمیوں کا باہم ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا۔

ملاقات کے وقت باہمی محبت اور خیر اندیشی کے جذبے کے اظہار کے لیے ''سلام'' کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا فرض ہے' جبکہ اس مقصد کے لیے ایک اعلیٰ ذریعہ ''مصافحہ'' ہے جو عموماً سلام کے ساتھ یا سلام کے بعد کیا جاتا ہے۔ مصافحہ کرنا سنت ہے اور اس کا ثبوت ہمیں مختلف احادیث سے ملتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

☆ ادارتی معاون' شعبہ مطبوعات' قرآن اکیڈمی' لاہور۔ pmzahids@yahoo.com

أَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِيْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَ : نَعَمْ(۱)

''نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں مصافحہ کا رواج تھا؟ (حضرت انس رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: جی ہاں۔''

مصافحہ' سلام کا تکملہ

مصافحہ' سلام کا تتمہ اور تکملہ ہے' جس کی تصریح مختلف احادیث سے ہوتی ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَمَامُ عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ أَنْ يَضَعَ أَحَدُكُمْ يَدَهُ عَلٰى جَبْهَتِهٖ أَوْ قَالَ عَلٰى يَدِهٖ فَيَسْأَلُهٗ كَيْفَ هُوَ؟ وَتَمَامُ تَحِيَّاتِكُمْ بَيْنَكُمُ الْمُصَافَحَةُ))(۲)

''مریض کی پیشانی یا فرمایا اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور اس سے اس کی کیفیت پوچھنا پوری عیادت ہے' اور تمہارے درمیان تحیہ (سلام) مصافحہ سے پورا ہوتا ہے۔''

مصافحہ سے بغض وکینہ کا خاتمہ

مصافحہ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ مصافحہ کرنے سے باہمی بغض وکینہ ختم ہو جاتا ہے اور آپس میں محبت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ عطاء خراسانی تابعیؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَصَافَحُوْا يَذْهَبِ الْغِلُّ' وَ تَهَادَوْا تَحَابُّوْا وَ تَذْهَبِ الشَّحْنَاءُ))(۳)

''تم باہم مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ کی صفائی ہوتی ہے' اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دُور ہوگی۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مصافحہ اور معانقہ کے بارے میں فرمایا:

''مصافحہ کرنے اور مرحبا کہنے اور معانقہ وغیرہ کرنے میں یہ راز ہے کہ مصافحہ وغیرہ سے محبت بڑھتی اور خوشی پیدا ہوتی ہے اور باہمی وحشت اور نفرت دور ہوتی ہے۔''(۴)

مصافحہ سے گناہوں کی معافی

مصافحہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مصافحہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَ حَمِدَا اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ وَ اسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَ لَهُمَا))(۵)

''جب دو مسلمانوں کی ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ عزوجل کی حمد اور اپنے لیے مغفرت طلب کریں تو ان کی مغفرت ہو جائے گی۔''

مصافحہ کے بارے میں چند احکام

① باہمی ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے۔ مصافحہ صرف دائیں ہاتھ سے بھی کیا جا سکتا ہے اور دونوں ہاتھوں سے بھی۔ محض انگلیوں کے سروں کو پکڑنا مصافحہ نہیں ہے' بلکہ مصافحہ کا طریقہ یہ ہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھا جائے۔

② کسی خاص موقع پر مصافحہ کو ضروری سمجھنا جائز نہیں ہے۔ ہمارے علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ تخصیص وقت کے سبب مصافحہ کرنا مکروہ ہے اور بدعت مذمومہ ہے۔

③ مصافحہ کے ساتھ سلام کرنا بھی ضروری ہے۔ بغیر سلام کے مصافحہ کرنا کسی اجر کا باعث نہیں ہے۔

④ اگر کوئی شخص مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اس کی طرف سے ہاتھ کھینچ لینا اور اس طرح بے اعتنائی برتنا مناسب نہیں ہے' اس لیے کہ اس کی وجہ سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھانے والے شخص کو دکھ پہنچے گا اور کسی مسلمان کو دکھ نہ پہنچانا آداب کی رعایت سے زیادہ اہم ہے۔

⑤ غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا حرام ہے' اس لیے کہ علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ جس کو دیکھنا حرام ہے اس کو چھونا بھی حرام ہے' بلکہ چھونے کی حرمت دیکھنے کی حرمت سے زیادہ سخت ہے۔

⑥ عورت کی طرح ایسے خوش شکل مرد سے بھی مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے جس سے مصافحہ کرنے سے فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔

معانقہ

معانقہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے: عَانَقَ یُعَانِقُ مُعَانَقَةً۔ اس کے معنی ہیں: گردن سے گردن ملانا۔ عرفِ شریعت میں معانقہ کا معنی ہے: دو آدمیوں کا باہم ایک دوسرے کو سینے سے

لگانا' یعنی سینے سے سینہ ملانا۔

محدثین نے اپنی کتابوں میں معانقہ پر مستقل باب قائم کر کے معانقہ سے متعلق تمام روایات کو یکجا بیان کیا ہے۔ ان روایات میں معانقہ کے لیے تین طرح کے الفاظ ملتے ہیں: اَعْتَنَقَنِیْ، ضَمَّنِیْ، اَلْتَزَمَنِیْ۔ تینوں کا مصداق ایک ہے' یعنی سینہ سے سینہ ملانا جس کو عرف عام میں معانقہ کہتے ہیں۔

معانقہ کا آغاز قدیم زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے امور میں اوّلیت کی فضیلت عطا فرمائی ہے' ان میں ایک عمل معانقہ بھی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے موطا مالک کی شرح میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معانقہ کیا۔

معانقہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے!

بہت سی احادیث معانقہ کے ثبوت پر مشتمل ہیں' جن میں سے چند ایک کو یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔ تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بھی ملاقات کے وقت اور خاص طور پر سفر سے واپس آنے والے شخص سے معانقہ کرنے کا رواج بہت عام تھا:

① ایک آدمی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ جب آپ سے ملتے تو مصافحہ کرتے تھے؟ ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَا لَقِیْتُهٗ قَطُّ اِلَّا صَافَحَنِیْ' وَبَعَثَ اِلَیَّ ذَاتَ یَوْمٍ وَلَمْ اَکُنْ فِیْ اَهْلِیْ' فَلَمَّا جِئْتُ اُخْبِرْتُ اَنَّهٗ اَرْسَلَ لِیْ فَاَتَیْتُهٗ وَهُوَ عَلٰی سَرِیْرِهٖ فَالْتَزَمَنِیْ فَکَانَتْ تِلْكَ اَجْوَدَ وَ اَجْوَدَ (۶)

''میں جب بھی آپؐ سے ملا تو آپ نے مجھ سے مصافحہ فرمایا۔ ایک روز آپ نے مجھے بلا بھیجا اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ نہیں تھا۔ جب میں آیا تو مجھے بتلایا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے بلانے کے لیے آدمی بھیجا تھا۔ میں آپؐ کے پاس آیا' آپؐ اپنے تخت پر تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے مجھے اپنے سے لپٹا لیا' پس وہ بہت عمدہ تھا' بہت عمدہ تھا۔''

② امام شعبیؒ سے (بطور ارسال) روایت کردہ حدیث میں معانقہ اور تقبیل دونوں کا ذکر ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَلَقّٰی جَعْفَرَ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ فَالْتَزَمَهٗ وَ قَبَّلَ مَا بَیْنَ عَیْنَیْهِ (۷)

''رسول اللہ ﷺ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملے تو آپؐ ان سے لپٹ گئے (یعنی

معانقہ فرمایا) اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں (ان کی پیشانی کو) بوسہ دیا۔''

تقبیل

تقبیل باب تفعیل کا مصدر ہے: قَبَّلَ یُقَبِّلُ تَقْبِیْلاً۔ اس کے معنی ہیں: بوسہ لینا۔ اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ ملاقات کے لیے آنے والے کے ہاتھ، پیشانی یا چہرہ کا بوسہ لینا۔ عرب ممالک میں ملاقات کے وقت چہرے کا بوسہ لینے کا رواج بہت عام ہے۔

تقبیل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے!

تقبیل کا ذکر بھی ہمیں بہت سی احادیث مبارکہ میں ملتا ہے، جن میں سے چند ایک ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

① ایک حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک کا بوسہ لیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

فَدَنَوْنَا یَعْنِیْ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَبَّلْنَا یَدَهُ (۸)

''ہم نبی کریم ﷺ کے قریب گئے اور آپ کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔''

② اس حدیث میں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رسول اللہ ﷺ کا بوسہ لینے کا ذکر ہے، جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ حدیث میں خود نبی کریم ﷺ کا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے معانقہ کرنا اور بوسہ لینا ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

قَدِمَ زَیْدُ بْنُ حَارِثَةَ الْمَدِیْنَةَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ بَیْتِیْ، فَاَتَاهُ فَقَرَعَ الْبَابَ فَقَامَ اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ..... فَاعْتَنَقَهُ وَقَبَّلَهُ (۹)

''زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ میرے حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت زید نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا تو نبی اکرم ﷺ ان کی طرف لپکے..... پھر آپ نے انہیں گلے لگایا اور ان کا بوسہ لیا۔''

معانقہ اور تقبیل کا حکم

معانقہ اور تقبیل کے ثبوت کے بارے میں بہت سی روایات موجود ہیں، لیکن بعض روایات میں ان سے منع بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

الرَّجُلُ مِنَّا یَلْقَی اَخَاهُ أَوْ صَدِیْقَهُ أَیَنْحَنِیْ لَهُ؟ قَالَ: ((لَا))' قَالَ: أَفَیَلْتَزِمُهُ وَ یُقَبِّلُهُ؟ قَالَ: ((لَا)) قَالَ أَفَیَأْخُذُ بِیَدِهِ وَیُصَافِحُهُ؟ قَالَ: ((نَعَمْ)) (۱۰)

''اگر ہم میں سے کوئی اپنے کسی بھائی یا دوست کو ملے تو کیا اس کے لیے جھکے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں''۔ عرض کیا: تو کیا اس سے گلے مل کر اس کا بوسہ لے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں''۔ اس نے پوچھا: کیا اس کا ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں!''

اس طرح کچھ اور بھی احادیث ہیں جن میں نبی کریم ﷺ نے معانقہ اور بوسہ لینے سے منع کیا ہے۔ علماء نے ان روایات میں تطبیق دے کر فرمایا ہے کہ معانقہ اور تقبیل سے اگر کسی برائی اور فتنہ کا اندیشہ ہو، یا ان کا مقصد کسی کی خوشامد کرنا ہو، تو یہ جائز نہیں ہیں اور ممانعت والی روایات اس قسم کے بارے میں ہیں۔ اور اگر ان سے اس قسم کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور مقصود صرف اکرام و تعظیم کا جذبہ ہو تو یہ بلا کراہت جائز ہیں۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں:

''محبت و تعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی ذریعہ معانقہ اور تقبیل (چومنا) ہے، لیکن اس کی اجازت اسی صورت میں ہے جبکہ موقع محل کے لحاظ سے کسی شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور اس سے کسی برائی یا اس کے کسی شک وشبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو..... (بعض احادیث سے) معانقہ اور تقبیل کی جو ممانعت مفہوم ہوتی ہے اس کے بارے میں شارحین حدیث کی رائے دوسری بہت سی حدیثوں کی روشنی میں یہی ہے کہ اس کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا اس کے شک وشبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ ورنہ خود رسول اللہ ﷺ سے معانقہ اور تقبیل کے بہت سے واقعات مروی اور ثابت ہیں۔'' (۱۱)

عید کے دن معانقہ کرنا؟

مولانا محمد یوسف لدھیانوی سے کسی نے سوال کیا کہ عید کے روز لوگ اظہارِ خوشی کے لیے گلے ملتے ہیں، شریعت میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ یہ سنت ہے، مستحب ہے یا بدعت ہے؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

''عیدین کا معانقہ کوئی دینی شرعی چیز تو ہے نہیں، محض اظہارِ خوشی کی ایک رسم ہے، اس کو سنت سمجھنا صحیح نہیں۔ اگر کوئی شخص اس کو کارِ ثواب سمجھے تو بلاشبہ بدعت ہے، لیکن اگر کارِ ثواب یا ضروری نہ سمجھا جائے محض ایک مسلمان کی دِلجوئی کے لیے یہ رسم ادا کی جائے تو امید ہے گناہ نہ ہوگا۔'' (۱۲)

قیام

مصافحہ‘ معانقہ اور تقبیل کے بعد ایک چوتھی چیز بھی ہمارے معاشرے میں عام ہے اور وہ ہے: آنے والے کے استقبال کے لیے کھڑے ہونا۔

قیام کا شرعی حکم؟

معانقہ اور تقبیل کی طرح قیام کے بارے میں بھی روایات دونوں طرح کی موجود ہیں‘ ایک سے اس کے جواز کی تعلیم ملتی ہے اور دوسرے سے اس کی ممانعت کی۔ ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اگر قیام کا مقصد صرف اکرام و تعظیم اور آنے والے کا استقبال ہو تو ایسا کرنا بلا کراہت جائز ہے اور اگر اس کا مقصد کسی کی خوشامد ہو یا پھر قیام میں اتنا افراط ہو کہ جس سے شرک کا شائبہ ہو اور یہ قیام اکرام و تعظیم سے آگے نکل جائے تو ایسا قیام ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خود یہ خواہش کرے کہ اس کے لیے کھڑا ہوا جائے تو یہ بھی ناجائز ہے‘ اس لیے کہ ایسی خواہش رکھنا متکبرین کا شیوہ ہے اور اس کے بارے میں احادیث میں سخت وعید آئی ہے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))(۱۳)

’’جو آدمی اس سے خوش ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔‘‘

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ قیام کے حکم کے بارے میں رقم طراز ہیں:

’’اس میں فی الحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہے اور جس معنی پر امر و نہی کا مدار ہے وہ مختلف ہے‘ اس واسطے کہ عجمی لوگوں کا قاعدہ تھا کہ ان کے خدمت گار ان کے سامنے کھڑے رہا کرتے تھے اور رعایا بادشاہوں کے سامنے کھڑی رہا کرتی تھی اور وہ ان کی تعظیم میں افراط کرتی تھی‘ یہاں تک کہ شرک واقع ہونے کا احتمال تھا‘ لہٰذا اس کی ممانعت کی گئی.....اور جو کھڑا ہونا واسطے خوشی مؤمن کے ہو اور اس کا اکرام اور اس کے دل کی خوشنودی ہو.....تو اس میں مضائقہ نہیں‘ اس لیے کہ اس میں شرک کی آمیزش نہیں ہے۔‘‘(۱۴)

بعض احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آنے والے کے استقبال کے لیے کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اَنَّ اَهْلَ قُرَيْظَةَ لَمَّا نَزَلُوْا عَلٰى حُكْمِ سَعْدٍ اَرْسَلَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَجَاءَ عَلٰى حِمَارٍ اَقْمَرَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ اَوْ اِلٰى خَيْرِكُمْ))(۱۵)

بنو قریظہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم پر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلا بھیجا۔ حضرت سعد ایک سفید گدھے پر سوار تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’اپنے سردار اور اپنے میں سے ایک بہتر شخص کے لیے کھڑے ہو جاؤ!‘‘

سلام کے وقت جھکنا؟

بعض لوگ سلام کرتے وقت رکوع کی طرح جھک جاتے ہیں جیسے بادشاہوں کے درباری اور وزراء بادشاہوں کے سامنے سلام کرتے وقت جھکا کرتے تھے۔ ایسا کرنا ممنوع اور حرام ہے اور اس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

اَلرَّجُلُ مِنَّا يَلْقٰى اَخَاهُ اَوْ صَدِيْقَهُ اَيَنْحَنِيْ لَهُ ؟قَالَ: ((لَا))(۱۶)

’’اگر ہم میں سے کوئی اپنے کسی بھائی یا دوست کو ملے تو کیا اس کے لیے جھکے؟ آپ نے فرمایا: ’’نہیں!‘‘

سلام کرتے وقت جھکنے سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے‘ اور شرک کی طرح شرک کی طرف لے جانے والے تمام مقدمات کو بھی اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ البتہ اگر رکوع کی طرح نہ جھکا جائے بلکہ کسی بزرگ یا استاد کے احترام میں صرف سر یا گردن کو تھوڑا سا جھکایا جائے تو ایسا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

خلاصۂ کلام

اس بحث کا خلاصہ اور نتیجہ یہ ہے کہ سلام کے ساتھ مصافحہ کرنا مسنون ہے اور اس کے بہت سے فضائل احادیث میں مذکور ہیں‘ جبکہ معانقہ‘ تقبیل اور قیام کا حکم جواز کی حد تک ہے۔ وہ بھی صرف ان صورتوں میں جب کسی فتنہ اور گناہ میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو‘ اور اگر کسی فتنہ میں پڑ جانے کا شک و شبہ ہو تو ان کا جواز بھی ختم ہو جاتا ہے اور ان کی کراہت حرام تک پہنچ جاتی ہے۔ باقی رہا رکوع کی طرح جھک کر سلام کرنا‘ تو یہ جائز نہیں ہے اور شرک کی طرف نسبت

ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ان چیزوں پر اسلامی تعلیمات کی رو کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یاربّ العالمین!

حواشی

(۱) صحیح البخاری،کتاب الاستئذان،باب المصافحة۔

(۲)سنن الترمذی،کتاب الاستئذان والآداب،باب ما جاء فی المصافحة۔

(۳)مؤطا مالك،کتاب الجامع،باب ما جاء فی المهاجرة۔

(۴)حجۃ اللہ البالغہ،شاہ ولی اللہ،ترجمہ:مولانا عبدالحق حقانی،ص ۵۸۷۔

(۵)سنن ابی داؤد،کتاب الادب،باب فی المصافحة۔

(٦)سنن ابی داؤد،کتاب الادب،باب فی المعانقة۔

(۷)سنن ابی داؤد،کتاب الادب،باب فی قبلة ما بین العینین۔

(۸)سنن ابی داؤد،کتاب الادب،باب فی قبلةالید۔

(۹)سنن الترمذی،کتاب الاستئذان والآداب،باب ما جاء فی المعانقة والقبلة۔

(۱۰)سنن الترمذی،کتاب الاستئذان والآداب،باب ما جاء فی المصافحة۔

(۱۱)معارف الحدیث،محمد منظور نعمانی،ج ٦،ص ۳۴۵۔

(۱۲)آپ کے مسائل اوران کا حل،مولانا محمد یوسف لدھیانوی،ج ۷،ص ۲٦۹۔

(۱۳)سنن الترمذی،کتاب الآداب،باب ما جاء فی کراهية قيام الرجل للرجل۔

(۱۴)حجۃ اللہ البالغہ،شاہ ولی اللہ،ترجمہ:مولانا عبدالحق حقانی،ص ۵۸۸۔

(۱۵)سنن ابی داؤد،کتاب الادب،باب ماجاء فی القیام۔

(۱٦)سنن الترمذی،کتاب الاستئذان والآداب،باب ما جاء فی المصافحة۔

❁❁❁

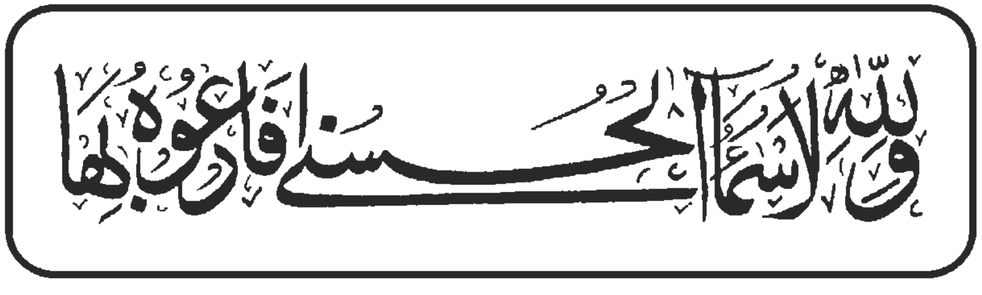

اسلام اور سرمایہ داری

عبدالرشید عراقی

اسلام نے دنیا میں پیغامِ امن دیا ہے اور اسلام کا منشور ہی یہ ہے کہ دنیا میں امن کی حکومت قائم کی جائے۔ اسلام نے انسان کو امن وسلامتی' محبت واخوت اور ہمدردی کا سبق دیا ہے اور خودغرضی' منافقت' بے رحمی' اور بے اعتنائی سے روکا ہے۔ یہ بات اِس وقت ہر آدمی کے مشاہدہ میں ہے کہ انسانی دماغ دن بدن ایسے آلات بنانے میں مصروف ہے جن سے تباہی زیادہ ہو اور بچاؤ کم ـــــ کبھی یہ بات ذہن میں آئی ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ یہ سب کچھ سرمایہ داری کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

سرمایہ داری ایک ایسی لعنت ہے جس نے دنیا کا امن وسکون تباہ کر دیا ہے اور لوگ دن بدن مذہب سے بیگانہ ہو رہے ہیں۔ ہمدردی کی جگہ خودغرضی نے لے لی ہے۔ آپس میں محبت والفت اور اخوت کا جو جذبہ کارفرما تھا اس کی جگہ نفرت' مفاد پرستی اور بغض پیدا ہو گیا ہے۔ اخلاقِ حمیدہ کی جگہ مذموم اوصاف نے لے لی ہے۔ انسان انسان کا ہمدرد نہیں رہا' بلکہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔ اخبارات میں روز ایسی خبریں شائع ہوتی ہیں کہ بھائی نے بھائی کو قتل کر دیا' بیٹے نے اپنے باپ کو قتل کر دیا' آدمی نے اپنی بیوی یا بہن کو قتل کر دیا' وغیرہ وغیرہ ـــــ اور کبھی انسان نے سوچا ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ یہ سب کچھ سرمایہ داری کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

اسلام نے ایسی سرمایہ داری کے خلاف جہاد کیا ہے' ایسی سرمایہ داری کو معصیت ٹھہرایا ہے اور اس کی کثرت اور عمومیت کو وجہ فساد قرار دیا ہے:

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ (الشوریٰ:۲۷)

''اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے۔''

اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کی جو دولت کو فضل ایزدی اور دنیا کی تمام خیر وبرکت سمجھتے ہیں۔ ان کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ؕ﴾ (الزخرف)

''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی طریقہ پر ہو جائیں گے تو رحمٰن کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو ہم چاندی کی بنا دیتے اور زینوں کو بھی جن پر وہ چڑھا کرتے۔ اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی (چاندی کے بنا دیتے) جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے۔ اور (یہ سب چیزیں) سونے کی بھی (بنا دیتے)۔''

اسلام نے تجارت کی اجازت دی ہے اور وہ بھی حلال ذرائع سے۔ حلال ذرائع سے کمائی ہوئی دولت کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل قرار دیا ہے:

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ.....﴾ (الجمعة:۱۰)

''پھر جب (جمعہ کی) نماز ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو.....''

حلال ذرائع سے تجارت کی جائے اور حلال ذرائع سے دولت جمع کی جائے تو پھر اس دولت کو خرچ کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ص﴾ (البقرة:۲۶۷)

''اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی سے اور زمین میں سے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ نے مالی خرچ کرنے کا نتیجہ بھی واضح کر دیا ہے:

﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ﴾ (البقرة:۲۷۲)

''اور جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے۔''

ان تمام آیات کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام نے حلال ذرائع سے دولت کمانے سے منع نہیں کیا اور نہ ہی اسلام نے اس میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالی ہے' بلکہ اس دولت کو نیک کاموں میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے ـــــ جس شخص نے دولت کو روک رکھا ہے اور اسے اللہ کی راہ

میں خرچ نہیں کرتا' اور نہ ہی غرباء اور مساکین کا خیال رکھتا ہے اور اپنی دولت پر سانپ بن کر بیٹھ جاتا ہے' ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کی وعید آئی ہے:

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝١ نِ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝٢﴾ (الھمزۃ)

''بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو عیب ٹٹولنے والا ہو اور غیبت کرنے والا ہو۔ جو مال جمع کرتا جائے اور گنتا جائے۔''

یہی وہ سرمایہ داری ہے جس کے خلاف اسلام نے جہاد کیا ہے۔ جو لوگ اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ اس واقعہ سے پوری طرح باخبر ہوں گے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو اُس وقت ایک ایسا گروہ سامنے آیا جس نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ آپؓ نے ان مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف اعلانِ جہاد کیا اور آپؓ نے اللہ کی قسم کھا کر فرمایا:

''خدا کی قسم' جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا یا کوئی امتیاز روا رکھا میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔''

اسلام نے دولت اور سرمایہ داری سے پیدا ہونے والے مفاسد کے انسداد کے لیے زکوٰۃ فرض کی ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے کہ یہ ملعون (سود) سرمایہ داری کی اصل اساس ہے۔ خود غرضی' بے اعتنائی' بے رحمی اور سنگدلی کا مظہر اتم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس آسمانی بادشاہت کا اعلان فرماتے تھے' اس میں دولت کے لیے کوئی جگہ نہ تھی' لیکن اس بادشاہت کو صرف اسلام ہی قائم رکھ سکتا ہے جس نے انفاقِ مال کا حکم دیتے ہوئے اس کا مقصد یہ بیان فرمایا:

﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ﴾ (الحشر:۷)

''تاکہ یہ مال تمہارے دولت مندوں ہی کے ہاتھ میں گردش نہ کرے۔''

مغرب کی اشتراکیت نے سرمایہ داری سے پیدا ہونے والی برائیوں کا علاج غلط تجویز کیا ہے' اس لیے کہ دُنیا میں مساوات قائم نہیں رہ سکتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ (الزخرف:۳۲)

''ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا ہے اور ایک کو دوسرے

سے بلند کیا ہے' تاکہ ایک دوسرے کو ماتحت کر لے۔''

قدرت نے جو اقتصادی مراتب قائم کیے ہیں ان کی خلاف ورزی کرنا بے سود ہے۔ دنیا اپنی آنکھوں سے اشتراکی نظام کی شکست و ریخت اور اشتراکی سوویت یونین کے حصے بخرے ہونے کا تماشا دیکھ چکی ہے' اور آج خود مغرب میں سرمایہ داری کے خلاف اظہارِ بیزاری پورے زور و شور سے شروع ہو چکا ہے۔ سرمایہ داری کی لعنت سے چھٹکارا پانے کے لیے سب سے بہتر تجویز یہ ہے کہ دنیا اسلام کے پیغامِ امن کو قبول کر لے اور زکوٰۃ کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکامات دیے ہیں' ان پر عمل کیا جائے۔

مسلمان اگر مکمل طور پر اسلام کے نظامِ زکوٰۃ پر عمل پیرا ہو جائیں تو ان کے تین چوتھائی مصائب کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور تمام معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان کی سزا قرآن مجید میں بایں الفاظ بیان ہوئی ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝٣٤ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ۝٣٥﴾ (التوبۃ)

''اور جو لوگ سونا چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجیے۔ اُس دن اس خزانے کو دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں' پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی۔ ان سے کہا جائے گا یہ ہے جسے تم نے اپنے لیے خزانہ بنا کر رکھا تھا' پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو۔''

چنانچہ ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ اگر شریعتِ محمدیہؐ کے احکامات کی روشنی میں اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہوتی ہے تو وہ زکوٰۃ ادا کرے۔ بصورت دیگر اگر وہ اس سے عہدہ برآ نہیں ہوگا اور اس فرض کا انکاری ہوگا تو دنیا میں بظاہر عیش کرنے کے باوجود مصائب و آلام میں گھرا رہے گا' اور آخرت میں تو اس کے لیے نقصان ہی نقصان ہوگا' اور یہ دولت وہاں اس کے کچھ کام نہ آئے گی۔

❁❁❁

القاسم اکیڈمی کی عظیم علمی اور شاہکار پیشکشیں

توضیح السنن شرح آثار السنن للامام النیموی

(دو جلد مکمل)

تصنیف: مولانا عبدالقیوم حقانی

آثار السنن سے متعلق مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی تدریسی، تحقیقی، درسی افادات اور نادر تحقیقات کا عظیم الشان علمی سرمایہ، علم حدیث اور فقہ سے متعلق مباحث کا شاہکار، مسلک احناف کے قطعی دلائل اور دلنشین تشریح، معرکۃ الآرا مباحث پر مدلل اور مفصل مقدمہ اور تحقیقی تعلیقات۔

کاغذ، کتابت، طباعت، جلد بندی اور خوبصورت رنگین ٹائٹل، ہر لحاظ سے معیاری اور شاندار۔

اساتذہ اور طلباءِ مدارس کے لیے خاص رعایت۔ صفحات 1376

شرح شمائل ترمذی

(تین جلد مکمل)

تصنیف: مولانا عبدالقیوم حقانی

حدیث کی جلیل القدر کتاب ''شمائل ترمذی'' کی سہل و دلنشین تشریح، سلجھی ہوئی سلیس تحریر، اکابر علماءِ دیوبند کے طرز پر تفصیلی درسی شرح، لغوی تحقیق اور مستند حوالہ جات، متعلقہ موضوع پر ٹھوس دلائل و تفصیل، رواۃ حدیث کا مستند تذکرہ، متنازعہ مسائل پر تحقیق اور قول فیصل، معرکۃ الآراء مباحث پر جامع کلام، علماءِ دیوبند کے مسلک و مزاج کے عین مطابق۔ جمالِ محمدی ﷺ کا محدثانہ منظر، نہایت تحقیقی تعلیقات اور اضافے۔ اردو زبان میں پہلی بار منصۂ شہود پر۔ جدید ایڈیشن میں تمام حوالہ جات اور عربی عبارات کا بھی اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ صفحات: 1600

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ، خیبر پختونخواہ، پاکستان

اکسیر جگر (کورس)

ہر قسم کے ہیپاٹائٹس کی 100% کامیاب دوا

یہ کورس ہیپاٹائٹس ''سی'' کو 3 ماہ میں **''نیگیٹو''** کر دیتا ہے

مزید ''جگر'' کے تمام امراض میں انتہائی مؤثر دوا ہے

بھرپور اعتماد کے ساتھ استعمال کریں

پریکٹیشنز حضرات رابطہ کریں

شفائے معدہ (کورس)

تحفۂ خاص

جگر، معدہ اور آنتوں کی جامع الفوائد دوا

شفائے معدہ (کورس) سے معدہ کی تیزابیت، ورمِ معدہ، معدہ اور آنتوں کا زخم (السر)، آنتوں کی سوزش، ورمِ جگر، گردہ و مثانہ کی سوزش اور درد، بھوک کی کمی، معدہ کی جلن، بدہضمی، گیس ٹربل، گھبراہٹ، جسمانی دردیں، اور دائمی قبض کا شفا بخش علاج۔

نوٹ: اگر آپ تندرست ہیں تب بھی یہ کورس کر لیجیے، تاکہ بیماری سے بچا جا سکے۔

خاورین (کورس)

اعصابی، جسمانی اور جوڑوں کے درد کی حیرت انگیز دوا

100% ہربل

جوڑوں کا درد، لنگڑی کا درد، گھٹنوں اور کمر کا درد، اعصابی اور جسمانی دردیں، ورم، یورک ایسڈ کی زیادتی کا فوری اور مؤثر حل

نوٹ: خاورین (کورس) کو ایک ماہ بلاناغہ استعمال کریں یقیناً آپ کو بہتر نتائج ملیں گے تو مزید کچھ عرصہ استعمال کر لیں۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ آپ اس اذیت ناک مرض سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔

حکیم حافظ سید محمد احمد۔ لاہور

0332-8477326

042-38477326

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن

پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصّہ اول	سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
	صفحات: 360، قیمت 450 روپے (پانچواں ایڈیشن)
حصّہ دوم	سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
	صفحات 321، قیمت 400 روپے
حصّہ سوم	سُورۃ الانعام تا سُورۃ التّوبہ
	صفحات 331، قیمت 400 روپے

❁ عمدہ طباعت ❁ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ❁ امپورٹڈ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خُدّام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور

A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: 2584824,2214495(091)

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

نزلہ، زکام، گلے کی خراش اور کھانسی!

Take No Tension

Take Sualin

with TOOT SIYAH efficacy

ہمدرد